دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ
1976
الحق
ماہنامہ
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور
مغربی پاکستان

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم : ۴ | قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۱ | صفر، ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ

شمارہ نمبر : ۴، ۵ | فروری، مارچ ۱۹۷۶ء

مدیر
سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ بارہ روپے۔
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ۔ ہوائی ڈاک دو پونڈ
فی پرچہ : ایک روپیہ ۲۵ پیسے۔

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

برطانیہ کا اسلامی ثقافتی جشن

خبر گرم ہے کہ اپریل سے برطانیہ میں ایک عالمی اسلامی ثقافتی میلہ (؟) یا ورلڈ آف اسلام فیسٹول کا انعقاد ہو رہا ہے جو اگست تک جاری رہے گا۔ اور اس میں عالم اسلام کی تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر خطاطی، نوادرات، قدیم و جدید مطبوعات کی نمائش کی جائے گی اور اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مذاکرہ بھی ہوگا۔ کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ کہتے ہیں۔ اور کوئی اسے اسلامی اور مغربی دنیا کے باہمی ارتباط اور قرب کا موجب سمجھتا ہے۔ ہمیں اس عظیم اور وسیع کثیر المصارف منصوبہ کے پس پردہ محرکات، عوامل اور رجال کار کا تفصیلی علم ابھی تک نہیں ہوا اور نہ ہم قبل از وقت کسی اچھے یا بُرے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے یہ مہرجان اسلامی یورپ میں اسلام کے صحیح تعارف کا ذریعہ بن جائے مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ اور شرمناک رویّہ، مستشرقین یورپ کی طویل سازشوں اور علمی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارہ میں چوکنا ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے، بیرونی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم منصوبہ کا محرک اور منتظم تیس ۳۰ سالہ پال کیلر نامی ایک غیر مسلم ہے جو آرٹ اور کلچر کا دلدادہ ہے۔ برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات بھی اس جشن کے تعارف میں پیش پیش ہیں۔ لندن ٹائمز اور فنانشل ٹائمز تو تفصیلات پر مبنی رنگین ضمیمے بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس مہرجان علمی کا افتتاح ملکہ الزبتھ کر رہی ہیں۔ منتظمین کی طرف سے مطبوعہ اصل پروگرام ہمارے سامنے ہے۔ اس میں علم و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی، رقص و سرود، مصوری اور تصویر سازی پر مبنی کئی پروگرام بھی شریک ایجنڈا ہیں۔ اسلامی دنیا میں پائی جانے والی موسیقی کو پہلی دفعہ مکمل شکل میں کئی ہالوں میں پیش کرنے کے آئیٹم ہیں۔ مغل شہنشاہوں کے دور کی عُریاں تصاویر اور تجریدی آرٹ متعارف کرانے کا پروگرام ہے۔

یہ اور ایسی کئی باتیں ہیں جو اس پروگرام کے بارے میں خدشات کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا یا اس نے اسلام کی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیرخواہوں کیلئے چوپٹ کھول دیئے۔ نہ ہم اسلام کو ایک ایسا معجون مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا تو ام نام نہاد آرٹ و کلچر، رقص و

وسیقی اور تصویر و تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہل خبر اور ارباب علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے ہیں، ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے، دنیا کے کروڑوں مسلمان اہل علم اور اسلامی ادارے اس "میلہ" پر گہری اور عمیق نگاہ رکھیں کہ مبادا کہیں یہ عیار اور مکار یورپ کی شاطرانہ چالوں میں سے ایک چال نہ ہو، یہودیت اور استشراق حالات اور انقلابات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچلی بدلتی رہتی ہے۔ اور ایسی خبریں آبھی چکی ہیں۔

پچھلے سال مؤتمر استشراق نے اپنی انیسویں کانفرنس میں فیصلہ کیا کہ آئندہ ——— کانگریس کو ایشیا اور شمالی افریقہ کی انسانی علوم کی کانگریس سے پکارا جائے گا۔ یعنی جو مقاصد اب تک استشراق کے نام سے حاصل کئے جاتے تھے۔ اب اسے اور ناموں سے پورا کیا جائے گا۔ فرانسیسی جریدہ لی موند نے اس اعلان کو استشراق کی موت سے تعبیر کیا ہے۔ ایک مستشرق جیک بیرک نے کہا کہ اس طرح استشراق کا دور ختم ہو گیا مگر یہ درحقیقت دام زرین کو نیا رنگ دینے اور سانپ کا لباس بدلنے والا معاملہ ہے۔ اور ایک ایسا ہی اعلان ہے جیسا کہ ۱۹۳۴ء میں مسیحی مبلغ ڈاکٹر زدیمر نے مشنری سرگرمیوں کو ختم کر دینے کے بارہ میں کیا تھا مگر ساتھ ہی آگے چل کر اس کی تشریح اسطرح کی کہ اب ہمارا مقصد مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں۔ البتہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نکال دیا جائے۔ اور اب یہ کام ثقافت و کلچر اور صحافت کے ذریعہ ہونے لگا ہے۔ گویا یہ تبشیر وارتداد کی سرگرمیوں کی ایک مرحلہ کی تکمیل اور دوسرے مرحلہ کا آغاز تھا یہی انداز استشراق و استعمار کا ابتداء سے اسلام کے بارہ میں رہا ہے۔ ان کا طریق کار نہایت گہرا، طویل المیعاد، اور دور رس نتائج پر مبنی رہا ہے۔ بیشک مسلمانوں کو علمی اور ثقافتی کاموں میں تنگ دل اور متعصب نہیں ہونا چاہیئے مگر دشمن کے عزائم، طرز عمل، اور چالبازیوں سے یکسر آنکھیں بند کر دینا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں نہ مسلمان کو اتنا وسیع الظرف اور وسیع المشرب ہونا چاہیئے کہ آزاد خیالی کی لگن میں وہ اپنی ثقافت اپنا ورثہ اور اپنا اسلامی تشخص بھی ہاتھ سے دھو بیٹھے۔ نئے دور میں اسلام اور صلیبیت کی محاذ آرائی توپ و تفنگ کے دائروں سے نکل کر قلم و قرطاس اور علم و فن کے مورچوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اور اب اسلام کو فولاد و ایٹم سے نہیں علم و تحقیق کے اسلحہ سے نیست و نابود کر دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں جنگ کے ان نئے طور طریقوں میں بھی محتاط رہنا چاہیئے۔ اور پہلے کی طرح اس محاذ پر بھی دشمنان اسلام پر اسلام کی ابدی صداقت و حقانیت کی ابدی مہر لگا دینی چاہیئے۔

بین الاقوامی سیرت کانگرس

۳ر مارچ سے پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن اور وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام سیرت کانگریس منعقد

ہو رہی ہے۔ دنیا کے کئی مسلمان ممالک کے مندوبین کے علاوہ یورپ کے کئی ایک غیر مسلم مستشرقین بھی اس کانگریس میں شمولیت کر رہے ہیں اب تک جتنی تقاریر، مقالات اور پیغامات سامنے آچکے ہیں، بشمول وزیر اعظم پاکستان سب میں اسلام ہی کو ذریعہ کامیابی اور نبی کریم کے راستہ پر چلنے کو فلاح و نجاح کا ضامن قرار دیا جاچکا ہے اسلام اور سیرت طیبہ کی اس اٹل اور غیر فانی صداقتوں اور برکتوں سے انکار کی کس کو مجال ہے؟ غیر مسلم مستشرقین بھی اپنے مقالات میں اسلام کی خوبیوں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا اہتمام بھی قدر و تحسین کا سزاوار، لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ دنیوی واخروی سرخروئیوں کی ضامن تعلیمات نبوی اور انہیں دستور حیات اور لائحہ عمل بنانے میں مسلمان ممالک کیلئے آخر کونسی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ سیرت کانگرس میں جب برطانیہ کے مستشرق منٹگمری واٹ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارہ میں اپنی بڑی عقیدت کا اظہار کیا تو لبنان کے مفتی اعظم نے ان سے دریافت کیا کہ ان اعترافات کے ہوتے ہوئے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلام قبول کرلیں؟ مستشرق نے تو وحدت ادیان اور سارے مذاہب کی تعظیم کی آڑ لیکر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ مگر کیا یہی استفہام سارے اسلامی مندوبین اور تمام مسلمان ممالک اور کانگرس کا انعقاد کرنے والے پاکستان کیلئے سوالیہ نشان اور لمحۂ فکریہ نہیں ہے؟ لبنان کے مفتی اعظم یا کسی اسلامی ملک کے مندوب نے اپنی مسلمان حکومتوں سے کیوں ایسا سوال نہ کیا کہ جب آپ حضورؐ کے اسوہ حسنہ کو نسخۂ نجات بھی سمجھتے ہیں، عقیدت اور محبت کے دعویدار بھی ہیں، آزاد اور با اختیار بھی ہیں تو زندگی کے کسی شعبہ میں بھی آپؐ کی تعلیمات اور سیرت کی جھلک کیوں نظر نہیں آرہی۔ ہمارے دستور و سیاست، تمدن و معاشرت، معیشت و اخلاق کا وہ کونسا شعبہ ہے جس میں حضورؐ کے اتباع و اطاعت کو اپنایا گیا ہو۔ کیا سیرت کا فلسفہ صرف تقریبات، پارٹیوں اور جلوسوں پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا حضورؐ کی تعلیمات سے غیر اللہ کی حاکمیت خواہشات کی پیروی، یہود و نصاریٰ کی تقلید، اسلامی اقدار حیا و عفت سے بغاوت، خلق خدا پر ظلم و عدوان، نظام عدل و انصاف کی پائمالی، ناصحین و ناقدین کی سرکوبی اور استیصال کا کوئی جواز مل سکتا ہے۔

ایمان و عقیدہ کی دنیا میں دینی حمیت و غیرت کا حصہ کتنا ہے؟ مخالفین سے حضورؐ کا برتاؤ کیسا رہا، حضورؐ کے آداب حکمرانی کیا تھے۔ تمدن و تہذیب اور معیشت و سیاست میں حضورؐ کن کن راہوں پر چلے۔ یہ سب سوالات جذبات محبت و عقیدت کے ایسے مظاہر اور تقریبات کے موقع پر ابھرنے اور نمایاں ہونے چاہئیں اور سیرت منانے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کیا عمل سے عاری یہ زبانی محبت اور دعوے انہیں شافع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سرخروئی بخش سکیں گے۔ مسلمانوں کی اطاعت و عمل سے خالی یہ کھوکھلے نعرے سیاسی مقاصد برآری اور اپنے نفس و ضمیر کی فریب دہی کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں مگر اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور صلاح و فلاح امت کا ہرگز نہیں۔

نصابِ دینیات کا مسئلہ

ملک میں شیعہ سنّی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے ان صفحات میں بار بار اس فیصلہ کے قومی و ملی خطرناک عواقب پر اربابِ اقتدار کو متنبہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہُوا۔ اور مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق و انتشار کی بنیاد ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متضادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سوادِ اعظم کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارۂ نصاب و درسی کتب وزارتِ تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آگئی، سنّی مسلمانوں اور علماء کو بجا طور پر حیرت و تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا۔ شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفۂ بلا فصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمہ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعۂ ایمان و اسلام ملاحظہ ہو (ص ۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیارِ اسلام کلمہ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافت بلا فصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے۔ تب بھی کچھ بات ہوتی مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلمیحات میں کافر قرار دینا ملک و ملّت کی خیر خواہی ہے ——— ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضورؐ کے ہاں داخلۂ اسلام کی علامت صرف کلمۂ طیبہ رہا ہے۔ اور عہدِ صحابہؓ خیر القرون میں کلمہ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بیشمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امت مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابل تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بجبر و اکراہ رکھا جا رہا ہے، نہایت ناعاقبت اندیشی ہے، ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں نو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریک التواء پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ نصابِ دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اٹھی ہے خدارا ملک و ملّت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے ———!

اصحابُ علم و فضل کی جدائی

پچھلے دنوں برصغیر کے علمی و دینی حلقوں کو متعدد علمی صدموں سے دوچار ہونا پڑا اور دنیائے علم و دین کے سرمایہ میں نہ پوری ہونے والی کمی آگئی۔ بھارت کے صاحب دل متکلمانہ اور عارفانہ شان رکھنے والے فلسفی اور صوفی عالم مولانا

عبدالباری صاحب ۲۷ محرم ۱۳۹۶ھ کی صبح کو لکھنؤ میں ۸۵ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ندوۃ العلماء کے صحن میں مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور عصرِ حاضر کے جدید علوم کے نہ صرف بصیر بلکہ نقاد شخصیت کو سپردِ خاک کیا گیا مرحوم ندوۃ کے اوّلین ثمراتِ علم و فضل میں سے تھے۔ علامہ شبلیؒ کے تلمیذ رشید علامہ سلیمان ندویؒ کے ہمدرس و ہم شرب اور علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کے رفیق خاص قدیم و جدید کے جامع جامعہ عثمانیہ دکن کے شعبۂ فلسفہ کی صدارت پر فائز ہوئے اور فلسفہ و سائنس کے دقیق اور غامض مباحث پر نہ صرف دسترس بلکہ تنقیدی نگاہ طبعیات کے علوم جدیدہ سائنس اور فلسفہ کے بارہ میں اسلام اور مذہب کے نقطۂ نگاہ کو واضح طور پر پیش کیا اور ثابت کیا کہ صحیح مشاہدہ اور سائنس پر مبنی کوئی نظریہ اسلام کے لئے چیلنج نہیں بن سکتا، ہمارے ہاں مذہب اور سائنس کی حدود اور دوائر کار کی واضح نشاندہی کرنے والے علماء میں آپ کا کام سرفہرست رہے گا۔ پھر عقل و فلسفہ کیساتھ تصوّف اور سلوک کا نباہنا کارے دارد۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف کو نہ صرف جذب کیا بلکہ آپ کے تجدیدی کارناموں پر طویل و ضخیم کتابیں لکھیں اور اس طرح عمل کے ساتھ علم و قلم کے میدان میں بھی جام و سندان کو نباہا فرحمہم اللہ وارضاھم ـــــ مولانا مرحوم کے انداز میں علوم جدیدہ کی روشنی میں مذہب اور دین کی خدمت کرنے والے ایک دوسرے بزرگ ڈاکٹر میر ولی الدین پی۔ ایچ۔ ڈی لندن صدر شعبہ فلسفہ و سائنس جامعہ عثمانیہ دکن بھارت کا بھی شروع دسمبر میں وصال ہوا۔ علمی حلقے آپکے موثر اور معقول فلسفیانہ اور حکیمانہ اندازِ تحریر سے متعارف ہیں آپ جدید اعلیٰ علوم میں حظِ وافر رکھنے کے باوجود باطنی کیفیات اور ایمانی زندگی سے بھی بہرہ ور تھے کئی وقیع علمی تصانیف اپنے ترکہ میں چھوڑیں اپنے علم اور فن کو دین کی تائید اور مومنانہ جذبات ایمان و یقین کے اظہار کا ذریعہ بنایا ان کی جدائی بھی قدیم و جدید طبقوں کیلئے ایک خلاء ہے۔ رضی اللہ عنہ ـــــ بھارت کے اور ممتاز عالم مولانا محمد اسماعیل سنبھلی بھی ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ دیوبند کے قدیم فاضل مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مجاز مدرسہ شاہی مراد آباد اور دیگر مدارس کے شیخ الحدیث اور مدرس اور سیاسی میدان میں صوبائی اسمبلیوں کے رکن رہے۔ علمی اور ملی میدان میں مسلمانوں کی خدمت میں زندگی بسر فرمائی۔ تغمدہ اللہ بغفرانہ۔

اسی طرح خانوادۂ سید احمد شہیدؒ کی ایک صاحب علم و فضل خاتون امۃ اللہ تسنیم کے انتقال کی خبر بھی بھارت کے پریس سے معلوم ہوئی، آپ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی قابلِ احترام ہمشیرہ خواتین کے رسالہ رضوان کی مدیرہ اور کئی عربی و اردو تصانیف کی مصنفہ تھیں۔ عربی زبان اور شعر و ادب میں بھی مہارت رکھتی تھیں اور ایسے گھر سے تعلق رکھتی تھیں جو ع ہمہ این خانہ ہمہ آفتاب ست۔ کا مصداق ہے۔ ـــــ اللہ تعالیٰ جانے والے ان سب خادمانِ علم و دین کو بہترین مقاماتِ قرب و رضا سے سرفراز فرمادے۔ پسماندگان کو صبر و اجر اور امت کو ان کا بہترین بدل عطا فرمادے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

تبلیغی اور دعوتی جہاد

اگر آپ الحق کی دینی اور علمی افادیت محسوس کرتے ہیں، تو اس آوازۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے
میں ہماری مدد فرمائیں، آپ کے تعاون ہی سے الحق بہت جلد اپنے بلند معیار تک پہنچ سکتا ہے

الحق

کا استحکام اور اسکا فروغ، تعلیمات کتاب وسنت، کلمۂ حق، دین قیمہ اور نوامیس اسلام کا فروغ ہے

اگر آپ اس دینی اور تبلیغی جہاد میں براہ راست شریک ہونا چاہتے ہیں تو آیئے اپنے بھرپور تعاون سے الحق کی سرپرستی کیجئے۔

- اپنے حلقۂ اثر و رسوخ سے الحق کیلئے خریدار بہم پہنچایئے۔
- دینی درد اور تڑپ رکھنے والے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں الحق سے روشناس کرایئے۔
- اپنی طرف سے نادار طلبہ، دینی اداروں، تعلیمی مراکز، لائبریریوں بالخصوص باطل نظریات سے متاثر افراد کے نام الحق جاری کرایئے۔ الحق مہینہ بھر کی فکری اور علمی کاوشوں کا مرقع ہوتا ہے۔ آپ گھر بیٹھے اس تمام تبلیغی محنت میں برابر کے شریک ہوں گے۔
- اگر آپکے نام الحق جاری ہے۔ اور آپ نے زر اشتراک ابھی تک نہیں بھیجا تو جلد ارسال فرمایئے۔
- اگر آپ کسی تجارتی فرم کے مالک ہیں تو خود ورنہ اپنے زیر اثر حضرات سے الحق کیلئے اشتہارات مہیا فرمایئے
- اپنے شہر میں کسی موزوں دیانتدار شخص کے ہاں الحق کی ایجنسی قائم کروایئے۔
- اپنے امدادی عطیات سے الحق کو زیادہ سے زیادہ ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہونے کا موقع دیجئے۔

اس پر فتن دور میں الحق دعوت حق کی ایک قندیل اور استیصال باطل کا ایک محاذ ہے۔ اس کے فروغ اور استحکام میں آپکی کوئی سعی انشاء اللہ رائیگاں نہ ہوگی۔ اور آپ بارگاہ ایزدی سے اجر و تحسین کے مستحق ہوں گے ———

——— ناظم الحق

سمیع الحق مدیر الحق

سیرت کی اہمیت اور جامعیت

(رسول کریمؐ اور امت پر آپؐ کے حقوق)

سیرت طیبہ کے موضوع پر یہ تقریر مدیر الحق نے پچھلے سال ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو پاکستان ائرفورس اکیڈمی رسالپور کی تقریب سیرت میں فرمائی جسے احقر نے بعینہ من وعن ٹیپ ریکارڈ سے ضبط کر لیا اور اب قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (شفیق فاروقی)

یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ بکرۃً واصیلاً۔ وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین۔

محترم بھائیو! آج ہم سرور کائنات رحمۃ للعالمین کی بارگاہ اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کیلئے جمع ہیں۔ اور یہ خراج عقیدت کیا چیز ہے؟ اگر آج کے دن محمد عربی کے ایک ارب غلام مل کر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کردیں اور سب کے سب حضورؐ پر نثار ہوں تب بھی حضورؐ کا حق ادا نہیں ہو سکے گا۔

شاہ فیصل کیلئے دعائے مغفرت اور آج کا دن تو پورے عالم اسلام کیلئے خوشیوں اور مسرتوں کا دن ہے۔ دوسری طرف سوءِ اتفاق سے پورے عالم اسلام کے لئے ایک عظیم المیہ کا دن بھی ہے کہ حرمین الشریفین کے خادم جلالۃ الملک فیصل المعظم نے بھی گویا اسلام کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کر دیا انہوں نے کل ہی جام شہادت نوش کیا ہے۔ اور آج اب سے کچھ دیر بعد ان کی تدفین عمل میں لائی جائے گی۔ ان کا دل اسلام کے درد سے لبریز تھا۔ انہوں نے حرمین اور آقائے مدینہ کے شہر کی وہ خدمت کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک طرف وہ اتحاد عالم اسلام کے علمبردار تھے دوسری طرف پورے روئے زمین کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ان کا دل تڑپتا تھا اس لحاظ سے آج پورے درد اور غم کا بھی دن ہے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ اس بابرکت موقعہ پر جناب شاہ فیصل مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو ان کی متبادل شخصیت عطا فرما دے۔ انہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع کرنے کی سعی کی اور مسلمان تو سارے عالم کے مشرق و مغرب کے ایک جسم ہیں۔ اب اگر جسم کے ایک حصہ پر مصیبت آجائے تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو اس سے صدمہ ہونا لازمی ہے۔

سیرت کی وسعت اور ہمہ گیری محترم دوستو! آج ہم اس تقریب سیرت میں نبی کریم علیہ السلام کی سیرت

مطہرہ کے بارہ میں کچھ کہنے کچھ سننے کیلئے جمع ہوئے ہیں اور میں حیران ہوں کہ حضور نبی کریم کی سیرت مطہرہ کے بارہ میں اس مختصر وقت میں محدود علم کے ساتھ کیا کہوں۔ اور یہ تو وہ مقام اور وہ موضوع ہے، جہاں جنید دمشقی اور عطار وجامی کی سانس رُک جاتی ہے۔ اور جہاں امام رازی اور امام غزالی جیسے بزرگان امت بھی محو حیرت ہو جاتے تھے۔ توہم سب مل کر بھی حضورؐ کی سیرت بیان کرنا چاہیں تو کچھ بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رساند عمر ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

ہمارے سامنے حضورؐ نے ایک پورا نظام رکھ دیا ہے جسے اسلام سے، دین سے، شریعت سے، اور سیرت مطہرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبوی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کا اگر خلاصہ کسی لفظ میں نکل سکتا ہے تو وہ ہے سیرت۔ اب ایک طرف شریعت اسلامیہ کی جامعیت، ہمہ گیری، تعلیمات نبوی کی وسعت، قرآن کریم کا اعجاز عالمگیری اور ہمہ گیری ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی مختصر وقت میں ہزارواں لاکھواں حصہ بھی بیان کر سکتا ہے۔؟

حضرت عائشہؓ ام المومنین سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ کے اخلاق مبارکہ کیا تھے۔؟ فرمایا: کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے۔ وکان خلقہ القرآن حضورؐ کی سیرت وحالات حضورؐ کے اخلاق، یہ سارے کے سارے تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ الحمد سے والناس تک قرآن حضورؐ کی سیرت مطہرہ ہے۔ اب قرآن کیا ہے؟ فرمایا: لا ینقضی عجائبہ۔ اس کے مضامین اس کے علوم و معارف قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے چودہ سو برس سے صحابہؓ، تابعین، ائمہ کرام، علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء طرح طرح سے اس کی شرح وتفسیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہر نیا مفسر اس بحر مواج سے وہ وہ نکتے اور موتی نکالتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ چودہ سو برس میں اس نکتہ کیطرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس کے علوم ومضامین قیامت تک کے لئے چیلنج بنے رہیں گے۔

جامع کامل اور لافانی اسوہ اب جب قرآن حضورؐ کی سیرت ہے تو حضورؐ کی سیرت بھی اپنی ظاہری ومعنوی وسعتوں کے باوجود قیامت تک مشعل راہ بنائی گئی۔ اب قیامت تک ہزاروں سال ہیں۔؟ لاکھوں کروڑوں سال ہیں۔ خدا کے علم میں ہے۔ تغیرات، تبدلات، انقلابات آتے رہیں گے۔ تہذیب اور تمدن بدلتے رہیں گے، علوم میں، سائنس میں، انکشافات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اور یہی سیرت ہی رہنمائی کرے گی۔ حضورؐ کا لایا ہوا قرآن ہی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اور انبیاء کرام کی سیرتیں محدود مدتوں کے لئے مشعل راہ بنائی جاتیں سو سال، دو سو سال پانچ سو سال ہزار سال تک امتوں کی رہنمائی کرتا تھا۔ مگر جو قیامت تک نبی بنا کر بھیجا گیا جو عرب وعجم جو افریقہ اور جو ایشیا کے لئے اور جو کالے اور جو گوروں کیلئے اور جو ہر دور ہر زمانہ کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا، ان کی سیرت کے ارتقائی پہلو کا کوئی حد وحساب ہو سکتا ہے۔؟ آسمانوں پر انسان پہنچنے کی کوشش کرے گا، ستاروں پر کمند ڈالے گا، چاند

کو مسخر کرے گا۔ سورج پر کمند ڈالنے کا سوچے گا۔ یہ سب کچھ ہونا تھا آپ کے بعد۔ اور جب علم وفن اور انکشاف کے ایسے دور آنے تھے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کی سیرت ہر لحاظ سے جامع اور مکمل کیوں نہ بنائی جاتی۔ اسی لئے تو فرمایا ـــــ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

تعلیمات الٰہی کا جو سلسلہ حضرت آدم سے چلا تھا۔ تو آج تو اس میں نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اور خدا نے حضورؐ اور ان کی تعلیمات اور سیرت کے ذریعہ اپنی نعمتیں مکمل فرما دیں۔ اب کسی اور سیرت کی ہرگز ضرورت نہیں اس لئے ساری سیرتیں خدا نے معدوم کر دیں اور ایک ہی سیرت کو مکمل و محفوظ بنا دیا۔ کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں، اب کوئی دوسرا نسخۂ فلاح و نجات نہیں آئے گا۔ تو جن چیزوں سے خدا نے نعمتوں کی تکمیل فرما دی، اس کی تعبیر آپ سیرت سے کریں، قرآن و سنت سے کریں، شریعت سے کریں، اسلام اور دین سے کریں تو کر سکتے ہیں۔

قرآن مجسم | تو جیسا کہ ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا کہ حضورؐ کو قرآن مجسم بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھ دیا الٓمٓ سے والناس تک کتابی قرآن تھا۔ تو حضورؐ چلتا پھرتا قرآن بنے۔ زندۂ جاوید اور متحرک قرآن، بولتا ہوا قرآن۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ کی ذات وصفات کا ذکر ہے۔ اور جو آیات ذات وصفات سے تعلق رکھتی ہیں وہ نبی کریم کے عقائد ہیں۔ جو آیات حلال و حرام اور احکام سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کے اعمال اور قوانین ہیں۔ جو آیات حسن خلق سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کا حسنِ معیشت ہیں جو معاملات سے متعلق ہیں وہ آپ کا حسن معاشرت ہے۔ جو آیات توجہ الی اللہ، انابت الی اللہ، روحانیت اور تصوف سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کی خلوت ہے۔ جو آیات انبیاء کے قرب، قربانیوں اور کمالات سے متعلق ہیں۔ وہ حضورؐ کی عبدیت ہے۔ جو آیات خشوع وخضوع سے متعلق ہیں وہ حضورؐ کی شانِ عبدیت ہیں۔ جن آیات میں دعوت الی الخلق تہذیب نفس، تربیت اخلاق کا ذکر ہے وہ حضورؐ کی جلوت ہیں۔ جن آیات میں خلافت وحکومت کا ذکر ہے وہ آپ کی سیاست ہے۔ جن آیات میں کفر و باطل کی کشمکش کا ذکر ہے۔ وہ حضورؐ کا جہاد ہے۔

الغرض قرآن کریم کی زندہ اور عملی تعبیر حضورؐ نے اپنی ذات کی شکل میں پیش کر دی ـــ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ـــ آپ کی سیرت کے بغیر نہ ہمیں قرآن کام دے سکتا ہے نہ ہم اچھے برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔

ضرورت نبوت | نبی نہ ہوتے تو بڑے بڑے عقلاء اور فلاسفہ کو ہدایت کے راستے معلوم نہ ہو سکتے نہ سائنس اور مشاہدہ سے منطق اور فلسفہ سے انسان کی رہنمائی ہو سکتی۔ خدا نے فرمایا کہ: وقضی ربک الا تعبدو الا ایاہ۔ تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق کو صرف اسی کی عبادت کرنی ہے۔ کسی مخلوق کے آگے سر نہیں جھکانا ہے۔ عبادت بندگی اور پرستش کی مستحق صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہو گی۔ اب عبادت کا مقصد؟ اس کی حقیقت کیا ہے۔

طریقے کیا ہیں یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں جس سے معبود خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی پسندیدہ ہیں کچھ ناپسندیدہ کچھ کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے کچھ کاموں اور باتوں سے ناخوش۔ پہلے کو مرضیات کہیں گے۔ دوسرے کو نامرضیات تو ایک صورت تو یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ گھر گھر، گلی گلی، کوچے کوچے اعلان کرتے پھرتے کہ ان باتوں سے خوش ہوتا ہوں اور ان باتوں سے ناخوش اور دنیا کا ایک معمولی حکمران مختصر دائرے کا افسر بھی ایسا نہیں کرتا کہ ہر شخص کے پاس چل کر اپنی مرضیات اور نامرضیات بیان کرتا پھرے۔ بلکہ ایک اعلان جاری ہوتا ہے، فرمان جاری ہوتا ہے۔ بادشاہ کیطرف سے اور وہ سب کے لئے برابر ہوتا ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہوتی کہ ہر شخص یہ کہتا کہ میں خود نبی کے بغیر خدا کی پسند اور ناپسند معلوم کر لیتا ہوں اس کی کوئی صورت بھی نہیں تھی ہم انسانی عقل کی ٹڑکریں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

ایک شخص حقیر اور فانی انسان خدا کی مرضیات خود کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ آج ہم اپنے بنی نوع انسان کے بہت قریب ہو جائیں، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہوتا ہو مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کن باتوں سے خوش کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ جب تک وہ خود اظہار نہ کر دے۔ ایک دوست مہمان بن کر آتا ہے آپ اس سے معانقہ کر لیتے ہیں، دل سے دل ملا دیتے ہیں۔ مگر آپ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کون سے کھانے پینے اور کونسی چیز کا خواہشمند ہے۔ کن باتوں سے ناراض ہو گا کن چیزوں سے خوش۔ تو اللہ تعالیٰ کا پسند و ناپسند جو ربّ العالمین واجب الوجود ہے۔ اور انسان ایک فانی مخلوق کیسے معلوم کیا جا سکے گا۔

— تو خدا ہر ایک کے ساتھ نہ تو دل ملا سکتا ہے نہ خدا ہر ایک کے ساتھ بات کرتا پھرے گا، نہ خدا ہر گلی کوچے میں ہر ایک کو بتاتا پھرے گا کہ ان باتوں سے خوش اور ان سے ناخوش ہوتا ہوں نہ ہماری عقل میں اتنی طاقت ہے کہ خدا کی پسند اور ناپسند ہمیں معلوم ہو۔ اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کہ خداوند قدوس ایک نبی کو بھیج کر کسی ذاتِ مقدس کو منتخب کر کے اس کو اپنی مرضیات اور نامرضیات سے آگاہ کرے چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے منتخب کیا نبوت، رسالت اور وحی کے ذریعہ اپنی مرضیات سے آگاہ کیا۔ نماز سے روزہ سے زکوٰۃ اور حج سے خوش ہوتا ہوں اتحاد و اتفاق اور محبت سے خوش ہوتا ہوں۔ جوا سے، شراب سے، مارنے پیٹنے سے باہمی شر و فساد سے ناراض ہوتا ہوں۔ یہ مرضیات اور نامرضیات سب کے سب نبی کریمؐ کے ذریعہ سے انسانوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس ذاتِ مقدس کو خدا نے چن لیا تھا۔ اب اس نے جو کچھ کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ان کاموں سے راضی ہوتا ہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جن سے گریز کیا وہ اس بات کی دلیل کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ تو حضور اقدسؐ کے اقوال و افعال حرکات و سکنات، حضورؐ کی تقاریر، یہ سب کچھ سیرت اور شریعت کہلائیں گے۔ اب وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ۔ آیت کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کو نبی کریم کے اقوال و افعال اور حرکات و

سکنات دیکھ کر عبادت کے طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ مرضیات پر چلنا اور نامرضیات سے بچنا چاہو تو آپ کے لئے ایک ماڈل ایک نمونہ ایک اسوۂ حسنہ نبی کریمؐ ہی کی ذات ہے ـــــ تو شریعت اور سیرت اتنی ہمہ گیر اور جامع چیز ہے کہ سیرت کا بیان گویا پورے اسلام پوری شریعت اور پورے قرآن و سنّت کا بیان کرنا ہوا۔ اور یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

زمانۂ بعثتِ نبوی مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ حضورؐ نے کیسے کیسے حالات میں اپنی سیرت مقدسہ کے ذریعہ انقلاب پیدا کیا اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور حضورؐ نے دنیا کو کن طریقوں سے تبدیل کیا، تہذیب و تمدّن اور یہ شرافت پیدا کی بعثت کے وقت آپ عرب کو عجم کو ہند کو چین کو یورپ کو دیکھ سکتے ہیں یعنی دنیا کی حالت ایسی تھی کہ گویا ایک عظیم الشان محل جس کی ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو اور کچھ ظالموں نے ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی ہو۔ سونے کے کمرے کا سامان لیٹرین میں ہو لیٹرین کا سامان سونے کے کمرے میں رکھ دیا گیا ہو۔ گویا ہر چیز اپنے محل اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور اس طرح انسانوں کے ہاتھوں خدا کی کائنات ظلم و وحشت اور بربریت سے بھر گئی تھی۔ اب حضور اقدسؐ نے آکر کیا کیا؟ ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر سیٹ کر دیا، ہر چیز کو اُس کا اصل مقام دیدیا۔

ـــــ اور دنیا میں ہر طبقہ کے کچھ حقوق ہوتے ہیں ہم میں سے ہر ایک پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں۔ بیٹا ہے تو اس پر باپ کے حقوق، باپ ہے تو اس پر اولاد کا حق کہ اسکی اچھی پرورش کرے، والدین کا حق یہ ہے کہ اولاد اس کے آرام و راحت کا خیال رکھے اس کے احسانات کا بدلہ دے شاگرد کا استاد پر حق، ہر استاد کا شاگرد پر، رعیت کا حاکم پر حاکم کا رعایا پر حق ہے۔ کوئی طبقہ انسانوں کا ایسا نہیں کہ دوسرے کے حقوق اس سے وابستہ نہ ہوں اور وہ فارغ البال ہو۔

رسول اور امت کا رشتہ آج یہی کوتاہی ہے کہ ہر شخص صرف اپنے حقوق کو دیکھتا ہے۔ حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ہم پر کسی کا حق ہے اور کچھ فرائض بھی ادا کرنے ہیں۔ اسی طرح رسول اور امت کا رشتہ ہے۔ ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ رسول کو خدا نے امّت کے پاس بھیجا تو امّت کے کچھ حقوق ہیں رسول پر۔ اور خدا نے وہ حقوق رسول کے ذمہ لگا دئے ہیں کہ یہ یہ حق امت کا پورا کرنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں رسول کے بھی کچھ حقوق ہیں، یہ نہیں کہ رسول تو تمام حقوق پورے کرکے چلا گیا اور امت پر کوئی حق نہیں ـــــ تو امت کا رسول پر یہ حق تھا کہ وہ اسے ہلاکت کی گہرائیوں سے نکال دے امت کو ظلمتوں سے نکال کر صراطِ مستقیم پر ڈال دے اور ہلاکت کی بجائے نجات دیدے۔ اچھے اور برے کی تمیز سکھا دے۔ کیا حضورؐ نے یہ حق پورا کیا یا نہیں۔

رسول کریمؐ اور امّت کے حق کی ادائیگی تو آپ میں سے سب کو معلوم ہے کہ نبی نے ہمارا، امتوں کا، بنی نوع انسان کا حق ایسے اچھے طریقہ سے پورا کر دیا کہ اس طرح دنیا میں، کائنات میں کسی نے نہیں کیا، بنوّت د

رسالت کی ادائگی اور دعوت و تبلیغ کا کام جس انداز میں حضورؐ نے کیا کسی نبی نے اتنا نہیں کیا ہوگا۔ ما اوذیت نبی اللہ مالم یوذا حد۔ امت کے غم میں ایک ایک انسان کے غم میں حضورؐ دن رات روتے رہتے۔ درد و سوز میں رہتے، ایک عجیب بے چینی اور گھٹن کی حالت طاری ہوجاتی خدا نے کہا کہ: ولعلک باخع نفسک علی آثارہم۔ میرے محبوب کیا تو غم کے مارے اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے، تیرا تو گلا اس غم سے گھٹ جائے گا اس بوجھ کے احساس کی وجہ سے کہ انسانوں کا کیا ہوگا۔ امت کا کیا ہوگا، کیسے خدا کے در پر آئیں گے، ایسی حالت ہوگئی جیسے کسی کا گلا گھونٹ دو اس کو عربی میں باخع کہتے ہیں فرمایا کہ تو نے تو فریضہ ادا کر دیا کچھ احساس غم میں کمی پیدا کر دو فریضہ کی ادائگی تو فرمادی آپ نے اور فرمایا: انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ ہم نے تمہیں بشیر بنا کر بھیجا ڈرانے والا، اللہ کیطرف پکارنے والا، اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

چراغ سے تشبیہ چراغ سے تشبیہ دی تو چراغ کیا کرتا ہے۔ وہ ظلمتوں کا دشمن ہے۔ وہ رات کی ظلمتیں اپنی ضیاء باریوں سے منور کرنا چاہتا ہے۔ وہ جلتا رہتا ہے۔ کڑھتا رہتا ہے۔ اپنی ساری توانائی جب تک ختم نہ ہو، تیل سارا ختم نہ ہو، بتی میں ذرا بھی سکت باقی ہو چراغ جلتا رہے گا۔ سورج سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔ کہ مراد سراج سے سورج ہی ہے۔ وجعلنا الشمس سراجا وھاجا۔ آپ آفتاب نبوت ہیں مگر تعبیر یہاں سراج سے اس لئے گئی کہ ؎ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

تو چراغ سے تشبیہ میں عجیب فصاحت و بلاغت ہے۔ تو نبی کریمؐ اپنی ضیاء باریوں سے تاریکیاں مٹاتے رہے ایک درد و سوز میں مبتلا رہتے کہ کسی طرح اس جاہلیت کی ظلمتیں مٹ جائیں اور سپیدۂ سحر جب تک طلوع نہ ہوا اس وقت تک اپنے کام میں وقفہ اور آرام نہیں فرمایا امت کے لئے رات بھر کھڑے روتے رہے۔ حدیث میں ہے کہ حالت ایسی ہوجاتی کہ ـــــ لہ ازیز کازیز المرجل۔ سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہانڈی جوش مارتی ہو، رونے کی، کڑھنے کی، امت کے بارہ میں ایسی حالت ہوجاتی۔

انسانیت کا نجات دہندہ خود فرمایا کہ میری اور آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک بہت بڑا لاوہ دہک رہا ہو۔ اور یہ انسان پروانوں کی طرح آ آ کر اس آگ میں کود رہے ہوں۔ جیسا کہ اب ہم اپنے اچھے اور برے کو نہیں پہچانتے اپنی ہلاکت اور نجات کو نہیں سمجھتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں ایک ایک انسان کو پیچھے سے آ کر پکڑنا چاہتا ہوں۔ وانا اخذ بحجزکم۔ کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں۔ وانا انقذکم منھا۔ اور یہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ: کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔ تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ کوئی نجات کا راستہ نہیں تھا۔ خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ نجات دی۔ آپؐ ایک ایک کے پاس گئے۔ اپنوں کے پاس، غیروں کے پاس، رشتہ داروں کے پاس گئے، ابوطالب اپنے چچا کو وفات کے وقت بھی کہا کہ میرے چچا میرے کانوں

میں چپکے سے لاالٰہ الا اللہ کہدے کہ میں قیامت کے دن تیری سفارش کر سکوں۔ اپنی بیٹی فاطمہ کو کہا ــــ یا فاطمہ انقذی نفسکِ من النار ــــ اپنی جان کو آگ سے خود بچالے، بیویوں کے پاس بچوں کے پاس گئے۔

امّت کی فکر | ایک ایک فرد کی فکر ہے۔ امّت کی فکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات نماز میں آیت تلاوت فرمائی : ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك عزيز حكيم ۔ تو صبح تک یہی آیت دہراتے رہے جو خدا سے ایک خاص انداز میں رحم اور مغفرت کی درخواست ہے کہ اگر تو ان انسانوں کو عذاب دے، آگ میں ڈالے تو ڈال سکتا ہے کیونکہ یہ سب تیرے غلام ہیں بندے ہیں۔ بندہ مالک کے سامنے کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تو ان کو بخشدے تو بیشک کوئی تیرے آڑے نہیں آسکتا۔ تو عزیز ہے۔ اپنے ارادوں کو پورا کر سکتا ہے۔ کوئی روک نہیں سکتا، اور تو حکمتوں والا ہے۔ تو حضورؐ رات بھر اس آیت کو نماز میں رو رو کر دہراتے رہے اور خدا سے امت کے لئے مغفرت کی طلب فرماتے رہے۔ کہیں سنا کہ جلسہ ہو رہا ہے، کہیں میلہ لگا ہوا ہے، کہیں مجلس میں لوگ جمع ہیں، وہاں پہنچ گئے۔ لوگوں کے گالی گلوچ کی پرواہ نہ کی، پتھروں کی پرواہ نہ کی۔

طائف کا واقعہ | طائف کا واقعہ تو معلوم ہے کہ کس کس طریقہ سے اللہ کے رسول نے حق ادا کیا۔ طائف جانتے ہیں جو حجاز کا گرم مقام ہے خاص موسم میں عمائدین ملک، قوم کے بڑے وہاں جمع ہوتے تھے۔ ایک خادم حضرۃ زید کو ساتھ لے کر طائف پہنچے ایک ایک مجلس میں، بیٹھک میں گئے۔ لاالٰہ الا اللہ کی دعوت پیش کرتے رہے۔ ہر جگہ طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہوئی، لوگ مذاق اڑاتے ایک بدبخت عبد یالیل نے تو حد کر دی مذاق کی، اور کہا کہ اپنے میلے کچیلے کپڑوں کو تو دیکھو نبوت کے لئے کیا خدا کو وہ شخص ملا جس کے پاس سواری کیلئے ایک گدھا بھی نہیں، اور وہ پیدل پھرتا ہے۔ شہر کے غنڈے اور اوباش پیچھے لگا دئے اور حضورؐ پر پتھراؤ کیا گیا۔ مگر وہ کہتے رہے کہ : یاایها الناس قولوا لاالٰہ الا اللہ۔ ادھر سے صرف یہی دعوت تھی کہ کوئی معبود نہیں سوائے رب العالمین کے، ادھر سے بوچھاڑ ہوتی حضرت زیدؓ خادم خاص ساتھ ہیں، فرماتے ہیں کہ جسم لہولہان ہو گیا۔ اور جوتے مبارک خون سے بھر گئے اس حالت میں حضورؐ کو شہر سے نکالا گیا۔ یہاں تک کہ سر کے بل گرا دیا گیا۔ حضرت زید نے حضورؐ کو اٹھایا، ایک پہاڑی موڑ قرن الثعلب تک اٹھا کر لے آئے وہاں ایک باغ تھا، جا کر حضورؐ کو وہاں لٹا دیا۔ حضورؐ کو ناتوانی اور خون نکلنے کی وجہ سے بے ہوشی آگئی۔

صبر و تحمل کے سمندر میں طوفان | حضرت زیدؓ نے پانی وغیرہ ڈال دیا، جسم مبارک دھویا اور آپ کو کچھ ہوش آیا، آنکھیں کھولیں تو اپنی بے کسی اور اپنی امت کے ہاتھوں سب کچھ جو حضورؐ پر گزر رہا تھا اس کا خیال آیا اور وہ جو صبر و تحمل کے سمندر تھے، لیکن آج آخر اس سمندر میں طوفان آہی گیا۔ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو حضرت زیدؓ نے اس طوفان کے چند قطرے نقل کئے ہیں جو کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں ورنہ

گیا کچھ حضورؐ نے اللہ سے مناجات کی ہوگی ۔ کیا راز و نیاز ہوا ہوگا ۔ کیا شکوے اور شکایات ہوئے ہوں گے ۔ اس طوفان کے چند قطرے حضرت زید نے نقل کئے ہیں کہ حضورؐ نے ہوش میں آنے کے بعد فرمایا : اللھم الیک اشکو بثی و حزنی وھوانی علی الناس ۔ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے میری پراگندہ حالی اور غم ، اور یہ سب کچھ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ۔ وھوانی علی الناس ۔ میں تو لوگوں پہ ہلکا ہوگیا ہوں ۔ انسانوں نے تو مجھے بہت ہلکا سمجھ لیا ہے ۔ اور میری ظاہری و باطنی سب کچھ تو جانتا ہے ۔

آگے فرمایا : الی من تکلنی الی عدو یتجھمنی اوالی صدیق ملکتہ امری ۔ اے خدا تو کن لوگوں کو مجھے سپرد کرتا ہے ۔ دشمنوں کے سپرد کرتا ہے جو ہر طرف سے مجھ پہ ہجوم کرنے لگے ہیں ۔ یا چاہے اپنے دوستوں کے حوالے کر دے ، اب آگے حضورؐ کو خیال آیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے ۔ کہ میں ان مصائب اور تکالیف کا شکوہ کرنے لگا ہوں تو دعا کا رخ بدل دیا اور فرمایا : اعوذ بنور وجھك الکریم الذی اضاءت لہ السموٰت والارضین ۔ اے اللہ تیرے چہرے کے نور اور جگمگاہٹ کی پناہ مانگتا ہوں وہ چہرہ انور جس سے کائنات قائم اور روشن ہیں ۔ میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جس سے ظلمتیں روشنی میں بدل جاتی ہیں ۔ تیری مغفرت اور خوشنودی ہی میں میری عافیت ہے ، کہیں تیرا غضب مجھ پر نہ ٹوٹے ۔ ولك العتبٰی حتی ترضی ۔ اے اللہ مجھے تو منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہوگا میں اسی طرح پہاڑوں میں صحراؤں میں جنگلوں میں تیری آواز پہنچاتا رہوں گا ۔ اسی طرح گالی گلوچ اور اسی طرح پتھر کھا کھا کر تیرا پیغام پہنچاتا رہوں گا ۔ میرا تیرے اوپر کوئی احسان نہیں ، تیرا ہی مجھ پہ کرم ہے کہ مجھے اس کام کے لئے چن لیا ۔

اب یہ طوفان ذرا تھم گیا ۔ تو حضرت جبرئیل نمودار ہوئے اور فرمایا کہ سن لیا سن لیا تیرے رب نے وہ تیری نگہبانی کر رہا ہے ۔ جنہوں نے تجھے رد کر دیا وہ بھی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ تھے ۔ تیری فریاد نے پوری کائنات کو ہلا کر رکھ دیا ہے ۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس ان پہاڑی لوگوں کے لئے پہاڑوں کا فرشتہ بھیج دیا ہے ۔ فقد بعث الیك ملك الجبال ۔ کہ دنیا کے پہاڑ اس کے ایک اشارے پر اٹھتے ہیں ۔ اور آبادیوں کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں ۔ اب یہ طائف کے بڑے بڑے پہاڑ جن کے درمیان یہ بستی محصور ہے یہ فرشتہ تیرے ایک اشارہ پر اٹھا کر اس بستی پر الٹ سکتا ہے ۔ پہاڑوں کے فرشتے نے خود آگے بڑھ کر سلام کیا ، اور کہا : یا محمد ذلك لك اے محمد اب یہ سب تیرے اختیار میں ہے ، جیسے مرضی ہو تعمیل ہوگی ۔ گویا اشارہ تھا کہ اے محبوب تو نے شکوہ کیا کہ میں ہلکا ہوگیا ہوں مگر تو تو ساری کائنات پر بھاری ہے ۔ اگر کوئی چیز بھاری ہوگی تو منوں سے ٹنوں سے تولی جائے گی مگر آپ تو پہاڑوں کے وزن سے بھی بڑھ کر ہیں ۔ آپ تو ہمالیہ پر بھی بھاری ہیں ، یہ سارے پہاڑ اب آپ کے ایک اشارہ پہ اٹھائے جا سکتے ہیں ۔ تو آپ کیسے ہلکے ہو سکتے ہیں ۔ آپ تو اتنے بھاری ہیں کہ یہ پوری کائنات اور زمین و آسمان بھی

پ کے وزن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ بڑے بڑے ایٹم بم وہ کام نہیں کر سکتے جو تیرے ایک اشارہ سے انجام پا سکتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہو تو یہ ساری آبادی اور زمین تہس نہس کر کے رکھ دی جائے۔ حضورؐ نے پہاڑ کے فرشتے کے جواب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ یہ نادان ہیں۔ نادانی کی وجہ سے میری عظمت اور حقیقت سے بے خبر ہیں نادانی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں مایوس نہیں ہوں کہ ان لوگوں کی پشتوں سے اور نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کریں۔

بدر میں چند ساتھی ہیں تو حضورؐ رو رو کر گڑگڑاتے ہیں کہ اے اللہ یہ مٹھی بھر جماعت بھی اگر آج مٹ گئی تو کس ناز سے حضورؐ نے فرمایا کہ، لن تعبد۔ اے رب پھر قیامت تک تیری پرستش نہیں کی جائے گی۔ معلوم تھا کہ نبی آخر الزمان ہوں، میرے بعد کوئی نبی، کوئی صحابہؓ کوئی جماعت کوئی امت تو آئے گی نہیں، اب اگر بدر میں یہ مختصر جماعت بھی ختم ہو گئی تو پھر عبادت کرنے والا کون آئے گا۔ بہر حال حضورؐ نے کیسے کیسے انداز میں امت دعوت و اجابت کا حق پورا کیا۔ اس کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔

حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف حجۃ الوداع میں آپ نے آخری خطبہ میں امت سے بھی اس بات پر گواہی دلوائی، ایک لاکھ سے اوپر صحابہؓ سے دریافت کیا، ھل بلغت۔ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا یا نہیں۔؟ فریضۂ نبوت ادا کر دیا یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ ادیت الامانۃ۔ تو نے امانت ادا فرما دی۔ ووفیت العھد۔ اور خدا سے کیا گیا عہد پورا کر دکھایا — تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ فرمایا، اللھم اشھد۔ انگلی آسمان کیطرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ ان لوگوں کی گواہی پہ گواہ ہو جا یہ سب میرے حق میں گواہی دیتے ہیں۔

شہادت حق اتنی جرأت اور شرح صدر سے فرمائی کہ خود فخر کے طور پر کہا کہ اے اللہ گواہ ہو جا کہ میں اپنی ذمہ داری ادا کر چکا۔ تو جو حق تھا حضورؐ پر انسانوں کا اسے بھی پورا فرمایا۔ حیوانات کا بھی اور فرشتوں کا بھی، اور جنات کا بھی حق متعین کر دیا اور انسانوں کے مختلف طبقات کے باہمی حقوق بھی واضح کر دئے۔

شان رحمۃ للعالمینی اور یہ تو الگ موضوع ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃً للعلمین۔ کہ وہ رحمت ہیں۔ تو صرف انسانوں کے لئے نہیں، صرف جنات کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے لئے۔ اور خدا کے سوا کل مخلوقات یعنی ماسوائے اللہ کو عالمین کہتے ہیں۔ آسمانوں کی کائنات، زمین کی کائنات، چاند اور سورج کی کائنات، فرشتوں کی کائنات، حیوانات چرند اور پرند کی کائنات یہ سب الگ الگ عالم ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہ رسول ان تمام کائنات کے لئے نبی رحمت ہیں —— اب رحمت کیا چیز ہوتی ہے۔ رحمت، جیسے ہمارے لئے ہوا ہے ہم ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مچھلیوں کے لئے پانی ہے۔ مچھلی پانی میں ہے تو رحمت میں ہے اسے پانی سے

نکالدو تو رحمت ختم ـــــ الغرض رحمت اتنی قیمتی چیز ہے جسے کائنات کا ہر ذرّہ محتاج ہے۔ اس لئے اللہ رحمان و رحیم کی رحمت وسیع ہے۔ وسعت رحمتی کل شیئ ـــ وسعت کل شیئ رحمۃً وعلماً ـــــ تو حضورؐ کی ذات بھی کائنات کے لئے ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی اور دیگر جانداروں کے لئے ہوا۔ جس کے بغیر کائنات کی بقاء ہو ہی نہیں سکتی۔

ہر طبقہ کے حقوق کا تعین احادیث اور فقہ پڑھیں تو آپ کو گائے اور بیل کا حق جانوروں کا حق۔ ایک ایک حق تفصیل سے ملے گا۔ فرشتوں کے بھی حقوق، جنّات کے بھی حقوق سے ذخیرۂ کتب بھرا ہوا ہے۔ پھر مردوں کے حقوق الگ عورتوں کے الگ، بچّوں کے الگ، بوڑھوں اور مریضوں کے الگ۔ کونسا طبقہ ہے انسانوں کا جس کا حق متعین نہ ہو چکا ہو۔ اس سے پہلے بنی نوع انسانیت کس ظلم اور جہالت میں مبتلا تھی کہ ہر شخص صرف اپنے کو انسان سمجھ رہا تھا۔ دوسروں کو نہیں ہر ایک نے الگ الگ خدائیاں قائم کر رکھی تھیں۔ کہیں رنگ کے نام تفاوت کہیں قوم کے نام پر امتیازات کہیں زبان کے نام پر جھگڑے۔

منشورِ انسانیت حضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں بھی جو منشور ہے انسانیت کا۔ سب چیزیں ایک بار پھر واضح کر دیں فرمایا: کلکم بنو آدم و آدم من تراب۔ اے بنی نوع انسان تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ اب جبکہ سب انسانوں کی سرشت مٹی سے ہے۔ کوئی سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے نہیں بنا نہ اس کے خمیر میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ تو انسانیت کی سرشت کے لحاظ سے سب برابر ہو گئے۔ تو اب یہ امتیازات کہاں سے آگئے۔ اگر کوئی یورپ کا ہے یا امریکہ کا، افریقہ کا ہے یا ایشیا سب کی نوع ایک ہے اور سب اس میں برابر۔

رنگ و نسل کے جھگڑے اور فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی۔ اب نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر ـــــ آج جو قومیّت کی لعنت پوری دنیا پر مسلّط ہے۔ اور مسلمان بھی اس بت کی پوجا کرنے لگے ہیں۔ حضورؐ نے اس خطبہ میں اس بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اور آج جو سیاہ و سفید کے جھگڑے ہیں، کالے گورے کے امتیازات ہیں۔ تو حضورؐ نے اس کو بھی ختم کراتے ہوئے فرمایا: ولا للاسود علی لاحمر ولا للابیض علی الاسود۔ کالے پر گورے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کالے کو گورے پر ـــــ آج بڑے فخر سے امریکہ والے دعویٰ کرتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ علمبردار بنتی پھرتی ہے کہ ہم نے بنیادی انسانی حقوق دنیا کو دئے تو غلط کہتے ہیں حضورؐ نے چودہ سو سال پہلے اس سے اعلیٰ و اکمل ترین بنیادی حقوق انسانوں کو عطا فرمائے۔ یورپ والوں نے جھوٹ کہا انہوں نے عمل نہیں کیا۔ آج بھی امریکہ میں سفید فام اور سیاہ فام کے جھگڑے چل رہے ہیں وہاں کالوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے چڑھنے کی لفٹ تک الگ ہیں ہسپتال اور سکول بھی الگ ہیں گاڑیاں اور گاڑیوں

کے راستے تک الگ ہیں آئے دن کالے اور گورے پر فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اور حضورؐ کے ہاں ایک کالا تھا حضرت سیدنا بلال حبشیؓ اور حضورؐ نے فرمایا کہ گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔ تو عملاً بلال کو کتنا بڑا مقام دیا؟ ایک رات صبح اٹھ کر فرمایا اے بلالؓ تو کونسا عمل کرتا ہے۔ کہ میں نے تجھے خواب میں جنّت میں دیکھا کہ تو مجھ سے آگے آگے جارہا ہے۔ میں تیرے جوتوں کی آہٹ سن رہا تھا گو وہ سبقت خادم خاص کی سبقت تھی جو مخدوم سے آگے آگے جاتا ہے۔ تو اس قربِ خاص کی انہیں بشارت دی گئی اس کالے کو قریش کے سردار حضرت سیّدنا عمر فاروقؓ جن کے نام سے قیصر وکسریٰ لرزتے تھے۔ انہیں حضرت عمر مخاطب کرتے تو یا سیّدنا کہتے اسے ہمارے سردار۔ تو صہیبؓ کو بلالؓ کو عمار کو، فاروق اور صدیق عثمان غنی اور حیدر کرار کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ امتیازات عملاً مٹا کر دکھا دیئے۔

مساوات مگر کونسی؟ قانون کی بات آئی آئین اور سیاست کی بات آئی تو فرمایا کہ اس میں بھی مساواتِ انسانی ہے۔ یعنی انسانی مساوات معاشرتی مساوات قانونی مساوات آج بھی ہم مساوات کے نعرے سن رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مساوات یہی ہے کہ ایک کا مال چھین کر دوسروں کو دیدو دوسرے کا تیسرے کو دیدو ـــ یہ معیشت کی مساوات، جبر و ظلم، غصب و نہب کی مساوات، مال و دولت کی مساوات اسلام میں نہیں باقی ساری مساوات تھیں۔ آج ساری انسانی مساوات ختم ہوگئیں اور ایک مادی مساوات کا نعرہ باقی رہ گیا۔ انسانی قدروں کی مساوات فنا ہوگئی، معاشرتی مساوات ختم ہوگئی۔

حضورؐ کی معاشرتی مساوات نبی کریم راستہ میں چلتے پھرتے ہیں صحابہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ہم سے آگے ہیں کبھی برابر کبھی پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہٹو بچو کے نعرے ہوں گے اور آگے ہی رہیں گے۔ کوئی خاص مسند نہیں نشست کے لئے۔ جہاں جگہ مل گئی وہیں بیٹھ گئے۔ سفر میں کام کاج کا وقت آیا ساتھیوں کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگے، برابر کام بانٹ دیا خود بھی حصہ رکھا۔ تو نشست برخاست چال ڈھال میں کہیں بھی فضیلت اور برتری نہیں کہ میں حاکم ہوں، باقی محکوم۔

حضرت انسؓ جان نثار خادم ہیں فرماتے ہیں کہ دس سال میں حضورؐ کی خدمت میں رہا ہوں ان دس سال میں بھی حضورؐ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ کیوں ایسا کیا۔ ما قال لی فی شیئ لم فعلت۔ کچھ غلطی ہوگئی کام میں گڑبڑ ہو گئی، مگر حضورؐ نے کیوں تک نہیں کہا۔

قانونی مساوات اور جہاں خدا کے حکم قائم کرنے، حدود قائم کرنے کا موقع آتا ہے تو فرماتے ہیں:
اقیموا حدود اللّٰہ علی القریب والبعید۔ اے لوگو! اللہ کا جو حکم ہے جو حد ہے اسے اپنے پرائے سب پر لاگو کرنا ہے۔ ایک عورت فاطمہؓ نامی بنی مخزوم سے ہے، جو ایک زورآور قبیلہ تھا، اُس نے چوری کی اب

خدا کا حکم تھا کہ چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے بنی مخزوم کو یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ ہم شرفاء ہیں اور اتنے بڑے خاندان کی ایک خاتون کا ہاتھ کاٹنا تو بڑے عار کی بات ہوگی۔ سب پریشان تھے سفارش کے لئے کسی کو ڈھونڈنے لگے کہ حضورؐ سے سفارش کرے۔ کسی کو اتنی جرأت کہاں کہ حضورؐ سے سفارش کر سکے، حضرت اسامہؓ جو خادم خاص حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں جس سے محبت اولاد کی طرح ہے تو سب نے اسامہؓ سے سفارش کروانا چاہی، ان کے پاس جاکر منت سماجت کی، راضی کیا۔ حضرت اسامہؓ نے سفارش کی مگر ان کی بات سنتے ہی حضورؐ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا اور فرمایا: أفي حدٍّ من حدود الله۔ کیا اب خدا کی حدود میں، قوانین میں اور عدالت کے فیصلوں میں بھی سفارشیں ہونے لگی۔ حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ پچھلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک کر دئے گئے کہ وہ اپنوں کو بچاتے تھے اور صرف غریب اور ضعفاء پر حدود قائم کرتے تھے، کسی شان وشوکت والے، خاندان اور قبیلے والے کو جرم کرنے پر معاف کر دیا جاتا تھا اور تاریخی جملہ تو آگے ارشاد فرمایا کہ: والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔ یہ تو فاطمہ بنی مخزوم ہے۔ اگر معاذ اللہ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری صاحبزادی میری لخت جگر سے بھی یہ غلطی سرزد ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ تو بہر حال حضورؐ نے امت کے حقوق پورے فرمادتے، کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب ہم پر بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟

حضورؐ کا اولین حق امت پر | تو امت پر حضورؐ کا کیا حق ہے؟ ایک تو یہ کہ امت حضورؐ سے محبت کرے۔ جذباتی محبت والہانہ شیفتگی اور قلبی تعلق۔ اور حضورؐ سے جو محبت ہوگی وہ ساری کائنات سے بڑھ کر ہونی چاہئے، خود آپ نے فرمایا کہ: لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین۔ جب تک اپنے والدین سے اپنی اولاد سے ساری بنی نوع انسان سے بڑھ کر مجھے محبوب نہیں سمجھے گا۔ تو وہ مؤمن نہیں کہلا سکے گا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے خواہشات اپنی تمناؤں اپنی امیدوں اپنے کے بارہ میں کیا کرے گا۔؟ ایک صحابیؓ نے آکر کہا یا رسول اللہؐ مجھے آپ سے محبت ہے۔ فرمایا سوچ لو یہ معمولی بات نہیں ہے پھر کہا مجھے محبت ہے آپ سے تو فرمایا: دع نفسك ثم تعال۔ کہ نفس کو خواہشات کو اپنے سے الگ کر دے پھر دعویٰ محبت کر کے آ۔ اپنی ناجائز خواہشات، نفسانی تمناؤں کی قربانی دینی ہوگی۔ اور محبت حقیقی تو وہ ہے کہ جس کے ساتھ خود بخود اطاعت آجائے۔

دوسرا حق | تو حضورؐ کا دوسرا حق اطاعت ہے۔ دعویٰ تو محبت کا سب کو ہے۔ مگر محبت تب صحیح ہوگی کہ اس کے ساتھ اطاعت ہو، ایک شخص کہتا ہے کہ میں تو ہر وقت روتا پیٹتا ہوں۔ آپ کے عشق میں تڑپتا اور مرتا ہوں مگر کسی کام میں آپ کی اطاعت اور تابعداری نہ کرے آپ کی کوئی ادا اور طرز اور طریقہ اس کو پسند نہ آئے کوئی سنت اس کو محبوب نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مذاق کرتا ہے تو محبت صرف رونے پیٹنے کی محبت

جس میں اطاعت نہ ہو وہ نجات نہیں دے سکتی۔ آپ کو معلوم ہے حضرت ابو طالب کو کتنی محبت تھی آپؐ کے ساتھ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت ابوبکر صدیقؓ کو تھی اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے بڑا عاشق حضورؐ کے چچا ابو طالب تھے۔ بچپن سے پالا پوسا، گود میں لیا، کاندھوں پر اٹھایا، کتنی مشقتیں آپ کی وجہ سے حضرت ابو طالب نے جھیلیں، ساری عمر دشمنوں سے مقابلے کئے۔ آپؐ کی خاطر تین سال تک شعب ابی طالب میں گرفتار رہے۔ عشق تھا، محبت بھی خدمت کی بھتیجے کی، مگر کیا ابو طالب کو ایسی محبت سے نجات مل گئی؟ نہیں حضورؐ نے وفات کے وقت بھی کہا کہ چپکے سے میرے کان میں لاالہ الا اللہ کہدو۔ تو اللہ کے ہاں میرے لئے شفاعت کا راستہ کھل جائے گا۔ کہا جانتا ہوں کہ تو سچا ہے، تیرے ساتھ محبت بھی ہے۔ لیکن یہ ابوجہل، ابولہب یہ بڑے سرغنہ جو جمع ہیں وہ ہنسیں گے کہ بڈھا ڈر گیا موت کے وقت، تو جہالت آڑے آگئی۔ کہ موت کی سختیوں سے ڈر کر باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ اس لئے ایمان نہ لائے، محبت کتنی تھی مگر ایمان میں حضورؐ کی پیروی نہ ہوئی۔ تو مسلم شریف میں ہے کہ ابو طالب کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی اس عشق و محبت کی وجہ سے خدا نے اتنی لاج رکھدی تھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ ابو طالب کا سارا جسم آگ سے بچا ہوا ہے۔ لیکن جوتوں کے جو تسمے ہیں وہ جہنم کی آگ کے ہیں۔ جو دنیا کی آگ سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ ایک ذرہ بھی جہنم کی آگ کا اگر دنیا میں آجائے تو ساری دنیا بھسم ہو جائے — تو حضورؐ نے فرمایا کہ صرف جوتوں کے تسموں کی وجہ سے بھی ابو طالب کا دماغ کھول رہا ہے۔ قیام تو بہر حال جہنم میں ہے۔ ایمان نہ لا کر نری محبت سے نجات نہ ہو سکی۔ گو جہنم میں آپ کو اے کلاس دی گئی۔ مگر ٹھکانہ وہی جہنم رہا۔ تو جس محبت میں اطاعت اور تابعداری نہ ہو گی وہ کافی نہیں ہو گی۔

محبت کا معیار | محبت کا معیار یہ ہے کہ حضورؐ کی ادائیں ہمیں پسند ہیں یا ناپسند۔ حضورؐ کی بھی تو ادائیں تھیں، چلنے میں، پھرنے میں کھانے پینے میں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں حضورؐ کا بھی کوئی طریقہ تھا۔ وہ ادائیں محبوب ہیں یا نہیں؟

اگر ان طریقوں سے اور اداؤں سے محبت نہیں نفرت ہے تو معلوم ہوا کہ زبانی محبت ہے حقیقی نہیں، ورنہ محبوب کی ہر ادا خود بخود انسان اپناتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کتنے بڑے بڑے بزرگ تھے جو ہر قدم رکھنے میں لباس پہننے میں کھانے پینے میں دیکھتے تھے کہ حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کو تو اتنا اہتمام تھا کہ ایک دفعہ غلطی سے موزہ پہلے بائیں پاؤں میں پہن لیا۔ تو رسولؐ اللہ کے عاشق تھے غلطی ہو گئی کہ حضورؐ کی ادا پہلے دائیں پاؤں میں پہننے کی تھی تو انہیں اتنا دکھ ہوا کہ تقریباً ۳۰ من گندم اس نادانستہ غلطی کی سزا میں بطور کفارہ ادا کر دیا۔ اپنے اوپر جرمانہ لگایا۔ ایک اور عالم محمد بن اسلم نے ساری زندگی تربوز نہ کھایا۔ کتنا میٹھا لذیذ پھل ہے۔ حلال چیز ہے مگر انہوں نے اس لئے نہ کھایا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضورؐ نے کھایا تو سہی مگر کس طرح کھایا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے

کھایا یا کیسے ؟ کتابوں سے ان کو کیفیت معلوم نہ ہو سکی تو اب سوچتے تھے کہ اگر تربوز کھاؤں اور حضورؐ کا طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادانستہ مخالفت نہ کر بیٹھوں۔ یہ ادائیں تھیں ان لوگوں کی، وہ حلال خواہشات اور تمناؤں سے بھی دست بردار ہو جاتے کہ کہیں حضورؐ کی سنّت کی مخالفت نہ ہو جائے ۔۔۔ حضرت شبلیؒ معروف صوفی اور بزرگ گذرے ہیں، حالتِ نزع میں ہیں کمزور اور بیمار ہیں نحیف و نزار ہیں نماز کا وقت آگیا۔ شبلیؒ نے فرمایا کہ مجھے وضوء کرا دیا جائے، ساتھیوں نے بڑی تکالیف سے آپ کو وضوء کرایا، سکراتِ موت طاری تھے۔ پھر بعد میں خیال آیا کہ مجھ سے تو خلال رہ گیا خلال ایک سنّت ہے۔ تو دکھ ہوا کہ مجھے خلال کیوں نہیں کرایا گیا اب دوبارہ وضوء کراؤ۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں بیمار ہیں حرکت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بڑی مشکلات سے ایک دفعہ وضوء کرا دیا ہے۔ مگر کہا کہ مجھ پر جب سکراتِ موت طاری ہیں تو ہو سکتا ہے کہ عنقریب میں حضورؐ کے پاس چلا جاؤں اور اب جب اپنے محبوب سے ملوں گا تو یہ نہیں چاہتا کہ ایسے وضوء سے چلا جاؤں جس میں آپؐ کی کوئی سنّت چھوٹی ہوئی ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغیر خلال کے وضوء پر اکتفاء ہو۔ چنانچہ دوبارہ بڑی تکلیف سے حضرت شبلیؒ کو وضوء کرایا گیا۔ خلال کرایا گیا اور اس کے بعد شبلیؒ کی روح پرواز کر گئی ؎

لب پہ تبسّم اور نظر یار کی طرف دی کس طرح سے جان تہِ تیغ داغ نے

یہ کیسے لوگ تھے کہ تہِ تیغ بھی محبوب کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے تھے کہ محبوب کی ایک ایک حرکت اور جنبشِ ابرو پر اپنی حالت بدل دیتے تھے۔

صحابہؓ کا جذبۂ اطاعت | یہ محبت کی خاصیت ہے کہ یہاں حقیقی محبت آجائے تو اطاعت و تسلیم کیلئے فوج کی، پولیس کی، قانون اور عدالت کی ضرورت نہیں ہوتی جب ایک آواز گونجی ہے مدینہ کی گلیوں میں کہ :

یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجسٌ من عمل الشیطن فاجتنبوا ہ لعلکم ترحمون۔

اے مومنو یہ شراب یہ جوا اور قمار یہ سب غلط اور شیطانی کام ہیں۔ پس اسے چھوڑ دو، اس طرح اللہ کی رحمت کے سزاوار بن جاؤ گے۔

۔۔۔ آیت مسلمانوں کے کان میں پڑتی ہے اور وہ لوگ جو صدیوں سے شراب پیتے چلے آرہے تھے معاشرے میں شراب رچی بسی تھی مگر منادی حضرت علیؓ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے اعلان کرتے ہیں تو جس کے کان میں آواز آئی وہیں اس کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ گر پڑا۔ حکم آیا کہ شراب حرام ہے۔ تو جس نے ہونٹ میں شراب لی ہے تو یہ نہیں کہ چلئے یہ گھونٹ تو نگل لوں۔ بلکہ اُسے اُسی وقت تھوک دیا۔ ہم تو مٹکے بھی اذان سنتے سنتے پورا کر لیتے کہ چلو ابھی تو اذان اور اعلان ختم نہیں ہوا۔ ان کے گلے میں بے اختیار شراب اٹک کر رہ گئی۔

اسے تھوک بیٹھے، مدینہ کی گلیاں شراب کے ٹوٹے ہوئے برتنوں سے بھر گئیں۔ نالیوں میں شراب بہنے لگی۔ اس واقعہ سے پروفیسر ٹوائن بی جیسے متعصب دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور کہا کہ اسلام کے صرف اس ایک واقعہ کا بھی جواب نہیں۔ تحریم خمر جیسے واقعہ جیسا ضبط ونظم اور ڈسپلن کا نمونہ کوئی اور امت پیش نہیں کر سکتی عورتیں راستے میں چلتے ہوئے جارہی ہیں بازاروں میں، گلیوں میں کہ حجاب اور پردے کی آیت الٰہی نہیں اتری تھی اس دوران آیت اتری حجاب کا حکم آیا تو جو عورت جہاں تھی وہیں سر پہ دوپٹہ ڈال دیا منہ چھپا دیا۔ اور راستوں میں جو عورت جہاں تھی آیت سنتے ہی وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی یا دیوار وغیرہ کی آڑ میں چھپ گئی کہ اب ایک قدم بھی بے حجابی میں آگے نہ اٹھا سکیں۔

یہ حجاب کا واقعہ یہ تحریم خمر کا واقعہ یہ سب حقیقی محبت کے ساتھ سچی اطاعت کی نظیریں ہیں۔ بہر حال وقت کم ہے اس لئے حضور اقدسؐ کے ان دو حقوق پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ ایک محبت حقیقی دوسرا اطاعت جو محبت کا لازمی تقاضا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■

بقیہ: علمائے سرحد

کتاب الآیات البصرات عربی کی رد میں ہے، انہوں نے اس کتاب میں مسکرات کے بارے میں حنفیہ کے مسلک پر تنقید کی تھی، ۱۳۲۱ھ میں آپ نے ایک رسالہ اس کے جواب میں بزبان عربی لکھا، قابل دید کتاب ہے۔ غیر مطبوعہ۔

اولاد:۔ پہلی اہلیہ سے مولانا حمد اللہ مرحوم، مولانا عبید اللہ مرحوم اور حبیب اللہ مرحوم اور دوسری سے مولانا سعد اللہ صاحب اور مولانا میاں حاجی عطاء اللہ صاحب بقید حیات ہیں۔

ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ / اگست ۱۹۱۷ء کو آپ کا وصال ہوا اور زیارت کا کا صاحبؒ میں تدفین ہوئی۔

(مواد مولانا مفتی سیاح الدین صاحب سے لیا گیا۔)

■■

بقیہ: دینی مدارس

آنکھیں ڈال کر بات کرنا سیکھنا ہے، مصائب کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا سیکھنا ہے۔ تکالیف اور صعوبتوں کی خاردار جھاڑیوں کو پھولوں کی سیج سمجھ کر سر کرنا سیکھنا ہے۔ اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ امام مالکؒ اور صحاح ستہ کی یاد باقی رکھنی ہے۔ تو عربی مدارس کے اس وسیع ترین جھیل دارالعلوم دیوبند سے نکلے ہوئے تمام شیریں چشموں دینی مدارس کی بقاء کی ذمہ داری سنبھالنی ہوگی۔ اور انہیں جان سے عزیز سمجھنا ہوگا۔

■■

مولانا محمد حسن جان مدرس حدیث
دار العلوم عربیہ ٹل

مدح خاتم النبیّین

صلی اللہ علیہ وسلم

حمداً لأهل الحمد والغفران — مَلِكٍ حميدٍ خالقٍ رحمٰن
ثم الصّلواة على النبيّ وآله — والصّحب أهل الخير والعرفان
الله خصّ نبيّنا وحبيبنا — بالمجد والآيات والبرهان
أعطاه ما لم يعط شخصاً غيره — مَلكاً ولا جنّاً مع الانسان
فحباه مولانا الكريم بفضله — نوراً مبيناً آية القرآن
وعد الاله لحفظه وبقائه — متحدّياً للنّاس كلّ أوان
وسما به فوق السماء وإنّه — جبريلُ صاحبه لدى السّريان
فرآه حقّاً رويةً فى نوره — متجلّياً ربّي عظيم الشّان
ختم النبيّين الكرام بذاته — وبشرعه التّنسيخ فى الاديان
صلّى بهم فى القدس فهو امامهم — أسمى به شرفاً لدى المنّان
ويلٌ لآتٍ بعده متنبّياً — كذباً وزوراً مفتر قادياني
فهو الاخير قدومه وكتابه — وهو القديم نبوّةً نوراني
وهو الشّفيع لدى الإله وسيّدٌ — يوم القيمة أحمد الرحمٰن
والرّسل تحت لوائه فمقامه — محمودهم فى أخوف الميدان
أحلى به حوضاً واكثر وارداً — بين الحياض موارد الظمآن
نطق الاله بوصفه وكماله — فى محكم الآيات والفرقان
سمّاه نوراً هادياً ومبشّراً — للمومنين ورحمةً بجنان
أكرم بذى خلقٍ عظيم رأفةً — وبمهجتي والعرض والولدان
كيف المديح؟ وأين شان نبيّنا؟ — من قولِ واصفه الذّليل الجاني
صلّى عليه إلهنا متوالياً — بتتابع الأيّام والاكوان

ترجمۂ قصیدہ

حمد و تعریف اس ذات کی ہے جو ستائش اور مغفرت والا بادشاہ ستودہ شدہ اور خالق و مہربان ہے۔
اس کے بعد نبی کریمؐ پر درود ہو اور ان کی اولاد اور اصحاب پر جو نیک و پارسا تھے۔
خداوند کریم نے ہمارے محبوب پیغمبر کو بڑی عزت اور خصوصی معجزات و دلائل سے نوازا ہے۔
اور ان کو ایسے کمالات دئے جو کسی فرشتہ اور جن و انس کو نہیں دئے
ان میں خداوند کریم نے اپنے فضل سے قرآن مجید جیسی کھلی روشنی اور بڑا معجزہ دیا ہے۔
جس کی حفاظت اور بقا کا خود وعدہ کر چکا ہے اور یہ قرآن اپنی خوبیوں میں تمام دنیا کو چیلنج دے رہا ہے۔
اور حضورؐ کو آسمانوں کے اوپر لے گیا ہے، اور اس سفر کا ساتھی جبریل علیہ السلام تھے۔
اور اپنے عظیم الشان خداوند تعالیٰ کے دیدار سے جو نور کے پردوں میں جلوہ افروز تھے، یقیناً مشرف ہو گئے۔
ان کی ذات کریمہ سے انبیائے کرام کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے۔ اور ان کی شریعت سے پچھلی شریعتیں منسوخ کرا دئے ہیں۔
حضورؐ نے بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام کی امامت فرمائی ہے جو خداوند قدوس کے ہاں بہت بڑا شرف ہے۔
برباد ہو وہ جھوٹا قادیانی پیغمبر جو حضورؐ کے بعد خدا پر جھوٹ باندھنے لگا ہے۔
حضورؐ ہی اپنے آنے اور کتاب کے اعتبار سے پیچھے ہیں، مگر نبوت کے اعتبار سے یہ نورانی ذات والے
سب سے پہلے ہیں۔
حضورؐ ہی قیامت کے دن شفاعت کبریٰ والے سردار اور خدا کے سب سے زیادہ حمد ادا کرنیوالے ہونگے۔
اس ہیبت ناک میدان میں تمام انبیائے کرام حضورؐ کے جھنڈے تلے اور ان کے مقام محمود کی تعریف کرنے
والے ہوں گے۔
پیاسوں کیلئے انبیائے کرام کے حوضوں میں سب سے زیادہ میٹھے حوض والے حضورؐ ہونگے جس کے پینے والے
بھی بہت ہوں گے۔
خداوند قدوس نے خود ہی حضورؐ کے اوصاف و کمالات قرآن مجید کی آیتوں میں بیان فرما دئے ہیں۔
اور حضورؐ کو نور، ہادی، اور مسلمانوں کیلئے بشارت دینے والا اور بہت بڑی رحمت اور شفقت جیسے ناموں
سے یاد فرمایا ہے۔ کیسے عجیب کریمانہ بلند اخلاق والے مشفق ہیں ان پر تو میری جان و عزت اور بچے
سب قربان ہوں حضورؐ کی مدح کون کر سکتا ہے؟ کہاں حضورؐ کی شان؟ اور کہاں ایک عاجز و گنہگار کا کلام۔
اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ اپنی رحمتیں نازل فرماتے رہیں جبتک دن و رات اور کائنات کا سلسلہ جاری ہو۔ ❖❖

نکتہ چینی کی ایک رد بیدار ہوئی۔ یہی ردعمل جس نے نظام کلیسا کو پھاڑ کر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے دو فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

کلیسا کے مرکز روم نے اس تنقیدی تحریک کی روک تھام کے لئے وہ جابرانہ نظام قائم کیا جو کلیسا کے خلاف کھڑے ہونے والے ہر شخص کو زندہ جلا دینے تک سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ دینی وفکری استبداد کی وہ بدترین شکل تھی جس نے نہ صرف کلیسا کے خلاف نفرت کا پارہ اونچا کر دیا بلکہ جس دین کا کلیسا علمبردار تھا اس سے بھی نفرت کی آگ کتنے ہی دلوں میں بھڑک اٹھی اور یہاں سے یورپ میں لادینیت کی داغ بیل پڑی۔

الغرض کلیسا کا جبر واستبداد اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا اور اُسے اپنے تحفظ کے کچھ اور طریقے سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ دوسرا طریق کار تھا جس نے استشراق کی داغ بیل ڈالی یعنی یہ محسوس کر کے کہ اس مخالفانہ رد کا سرچشمہ عالم اسلام یعنی مشرق ہے۔ اپنے آدمیوں کو مشرقی زبانیں، خاص کر عربی سیکھنے اور مشرقی واسلامی علوم کا مطالعہ کرنے پر لگانے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ان کا توڑ کیا جا سکے، چنانچہ اہل کلیسا ہی تھے جنہوں نے استشراق (مشرقی علوم اور زبانیں سیکھنے) کا آغاز کیا۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا اُس وقت اس لئے ہو بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس وقت یورپ میں تنہا یہی پڑھنے لکھنے والا طبقہ تھا۔ یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں پر اسی کا راج تھا۔ چنانچہ یہ لوگ عربی زبان کی تحصیل پر لگ گئے اور عربی زبان وعلوم کے مطالعہ کا اوّلین مرکز ویٹیکن (پاپائے روم کے دارالسلطنت) میں قائم ہوا۔ جہاں سے مسلمان فقہاء اور پروٹسٹنٹوں سے مناظرہ کرنے والے لوگ نکلنا شروع ہوئے۔

ویٹیکن سے آغاز کے بعد یہ دائرہ وسیع کیا گیا اور دوسرے درجہ کے کلیساؤں کے مدارس میں بھی عربی اور بعض دوسری مشرقی زبانیں شامل نصاب کر دی گئیں۔ اسپین، فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیوں میں مستقل شعبے السنۂ شرقیہ کے قائم کئے گئے ان میں پیرس یونیورسٹی کو خاص طور سے اس تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بنایا گیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم پنجم نے اس دائرے کو اور وسعت اور اہمیت دی اور عربی، عبرانی اور کلدانی زبانوں کے لئے آکسفورڈ اور بولون یونیورسٹی میں بھی مستقل شعبے قائم کئے جانے کے احکامات جاری کئے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ان دونوں یونیورسٹیوں نیز پیرس یونیورسٹی اور ویٹیکن یونیورسٹی میں بھی ان تینوں زبانوں کے دو دو پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کے ذمہ تعلیم کے علاوہ ان زبانوں کے متون کا ترجمہ بھی کرنا تھا۔

بہرحال ہمیں یہ بتانا ہے کہ استشراق کی تحریک ویٹیکن سے شروع ہوئی اور مستشرقین کے پیش رو اہل کلیسا اور مسیحی علماء تھے۔ یہی ایک عرصہ تک اس تحریک کے نگران اور سربراہ کار رہے۔ اور دوم یہ کہ ان کا مقصد کلیسا کا دفاع اور اُن لوگوں کا توڑ کرنا تھا۔ جو اسلامی تہذیب کی روشنی سے فکر وخیال کی ایک نئی لہر پا کر کلیسا کے فکری استبداد اور لامحدود اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اسی بنا پر استشراقی تحریک میں عربیات کا مطالعہ ایک عرصہ تک ان ہی محدود مقاصد کے دائرے میں بند رہا۔ چنانچہ عربی زبان کو بجائے ایک ایسی مستقل تہذیب کی زبان کے جس نے یورپ کو علوم وافکار کا ایک نیا سرمایہ عطا کیا تھا محض ایک سامی زبان کی حیثیت سے پڑھایا جاتا تھا۔ یورپ میں انقلاب آگیا۔ عالم اسلام اپنی بالاتر حیثیت کھو کر یورپ کے پنجۂ استعمار میں گرفتار ہو گیا۔ مگر مستشرقین کا مطالعۂ عربیات اسی انداز پر چلتا رہا۔

اس میں تبدیلی اُس وقت آئی جب عالم اسلام میں استعمار کے پنجہ سے نکلنے کی تحریک شروع ہوئی اور ایک نئے انقلاب کے آثار رونما ہونے لگے۔ اس مرحلہ پر آکر ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مطالعہ کا نہج بدل کر اسے نئے تقاضوں کے مطابق کیا جائے۔ یہاں سے مستشرقین کے کام کا دائرہ وسیع ہوا۔

مستشرقین کا مطالعہ عربیات و اسلامیات جہاں تک عربی اور اسلامی موضوعات کے سلسلے میں مآخذ کا استیعاب کرنے، مواد و معلومات جمع کرنے اور انہیں ترتیب و تنسیق سے آراستہ کرنے کا تعلق ہے، مستشرقین کا کام بلاشبہ اس معاملے میں لائق تحسین ہے اور اس کے دو خاص سبب ہیں۔ ۱۔ یورپ کی علمی ترقی جس نے ایسے کاموں کا ایک خاص سلیقہ اُسے عطا کر دیا ہے۔ ۲۔ یہ کہ عالم اسلام پر اُس کے تسلط نے تمام علمی اور ثقافتی خزانے بھی اس کی دسترس میں کر دیے۔ اس حاکمانہ دسترس کے ماتحت اس نے مستشرقین کے ایماء پر عالم اسلام کی بیش قیمتی دولت بھی جہاں تک ہو سکا لوٹ کر اپنے گھر میں بھر لی۔ ہم بغیر کسی شبہ کے کہہ سکتے ہیں کہ عربی اور اسلامی کتب خانہ کے ۹۰ فیصدی قیمتی اور اہم مخطوطات اس لوٹ میں یورپ اور امریکہ کے کتب خانوں کی زینت بن گئے۔ خدا بھلا کرے خلافتِ عثمانیہ کا کہ اُسے اس صورت حال کا احساس ہوا تو اپنے آخری دنوں میں اس نے اپنے محروسہ ممالک سے مخطوطات کا ذخیرہ ترکی میں منتقل کر لیا اور اس طرح کوئی ۱۰ فیصدی ذخیرہ بچ رہا۔

بہر حال علمی ترقی اور مطالعہ و استفادہ کے ترقی یافتہ طریقوں کی دریافت کے علاوہ مسلمانوں کے علمی ذخیرے پر یہ غاصبانہ قبضہ تھا جس کی بدولت مستشرقین نے اسلامی اور عربی موضوعات پر اپنے کاموں کے سلسلے میں جمع و ترتیب کا بہت اعلیٰ معیار پیش کیا۔ اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ ہم اس معاملے میں ان کے نمونے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جہاں تک اس مطالعہ میں ان کے اپنی آراء داخل کرنے اور اپنے زاویۂ نظر سے اسلامیات اور عربی زبان کے مسائل کی تشریح و تفسیر کرنے کا تعلق ہے اُسے ہم علمی لحاظ سے اس قدر قابل تنقید پاتے ہیں کہ مجموعی اعتبار سے ان کے کاموں کا کوئی علمی وزن نہیں رہتا۔ کیونکہ:

۱۔ کسی بھی علمی یا تاریخی مسئلہ پر اظہار رائے میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ارباب بحث و نظر کے یہاں حسب ذیل شرائط مسلّم ہیں۔

وہ موروثی تعصب جو ہمیں اسلام اور پیروان اسلام سے ہے زمانہ دراز سے جمع ہوتا آتا ہے۔ اور ہماری فطرت کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ ہمارے یہ تعصبات اس قدر جبلی اور اسی قدر شدید ہیں (اگرچہ بعض وقت وہ دبائے کیوں نہ دئے جائیں) جیسے یہودیوں کے تعصبات عیسائیوں سے۔

اس موروثی تعصب میں جو ہمیں اسلام کے برخلاف ہے۔ اگر ہم اس دوسرے تعصب کو شریک کر لیں جیسے ہماری کم بخت تعلیم نے سالہا سال دراز سے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ کل قدیم علوم وادب صرف یونان و روم سے منشعب ہوتے ہیں تو بخوبی ہماری سمجھ میں آجائے گا۔ کہ تمدن یورپ کی تاریخ میں عربوں کے حصے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔

بعض اشخاص کو اس خیال سے ہمیشہ شرم آتی ہے کہ عیسائی یورپ کی وحشیانہ معاشرت سے نکلنے کا باعث ایک کافر قوم تھی۔ یہ خیال اس قدر دردناک ہے کہ اس سے انکار کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔[1]

ایک نامور مستشرق ہی کے اتنا کچھ کہہ دینے کے بعد ہمیں اپنی طرف سے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ البتہ موقع کی مناسبت اتنے ایک اضافے کا موقع فراہم کرتی ہے کہ مستشرقین کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے جس کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت ان پر پوری طرح کھل گئی۔ مگر یورپین گھمنڈ کی نفسیاتی گرہ نے حق کو دیکھ لینے کے باوجود اسے مان لینے کی جرأت اس میں نہ پیدا ہونے دی۔ فرانسیسی مستشرق رینان کا قول ہے۔ جو گستاؤلی بان ہی نے تمدن عرب میں نقل کیا ہے کہ:

"میں کبھی کسی مسجد میں نہیں داخل ہوا مگر یہ کہ ایک لرزہ خیز ہیبت کی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی اور بڑی حسرت میں نے محسوس کی کہ میں مسلمان نہیں ہوں"

یہ قرآن کی زبان میں "سمعنا وعصینا" ہی کی تو ایک مثال ہے۔

۳۔ مستشرقین اپنی حریت فکر کے ساتھ جودت عقل وفہم کے بھی دعویدار ہیں جیسا کہ مسلم عقلیت سے متعلق مسٹر گب کے ریمارک سے اوپر ظاہر ہو چکا۔ مگر وہ اسلامیات کے مطالعہ میں جس عقلیت سے کام لیتے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ وہ حدیث و شریعت کا مطالعہ کرتے ہیں اور نتائج مطالعہ پیش کرتے ہیں تو ماخذ اور مصدر بناتے ہیں۔ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی کو، ابن عبدربہ کی کتاب العقد الفرید کو اور کہیں کہیں ان سے بھی زیادہ عجیب قسم کے مصادر و مآخذ کو جن کا کوئی پایہ ان مباحث میں نہیں۔ پھر ہر فن کی کچھ اصطلاحات اور رموز و قواعد ہوتے

---

[1] تمدن عرب (اردو) مطبوعہ آگرہ (۱۸۹۸ء) ص ۲۳-۵۲۲ - نوٹ: یہ ترجمہ ہم نے مضمون نگار کی دی ہوئی عربی عبارت سے کرنے کے بجائے گستاؤلی بان کی اصل کتاب کے اردو ترجمہ از مولانا سید علی بلگرامی سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ہیں جن کی حقیقت سے آگاہ نہ ہونے یا ان کے برتنے کی تربیت نہ پانے کی صورت میں آدمی صحیح ماٰخذ تک پہنچنے کی صورت میں بھی صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ یہ حدیث و فقہ کے مباحث میں معتمد ماٰخذ سے بھی کام لیتے ہیں تو انہیں روایتوں کے مراتب میں فرق صحیح اور موضوع میں تمیز اور راجح و مرجوح میں ترجیح کے قواعد سے آگاہی نہیں ہوتی اس لئے عجیب عجیب گل کھلاتے ہیں۔

اسی طرح تاریخ اسلام میں ان کی عام طور پر دوڑ الامامۃ والسیاسۃ، بدائع الظہور و وقائع الدہور بلکہ الف لیلۃ ولیلہ جیسی کتابوں تک ہے۔ ابن جریر، ابن کثیر اور ابن اسحاق کی کتابوں کو ہاتھ لگاتے ہیں تو وہاں بھی سقیم و صحیح کے فرق سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

سیدھی سی بات ہے کہ ایک منصف مزاج اور نیک نیت آدمی اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کبھی ابوجہل کے پاس نہیں جائے گا۔ ٹھیک جس طرح مریم علیہا السلام کے بارے میں کسی کو صداقت کی تلاش ہو تو وہ یہود کا رُخ اس کام کے لئے نہیں کرے گا، لیکن یہ گرانقدر اور بالاتر عقلیت کے دعویدار اسلامیات کے معاملے میں سیدھی سادی عقل کے تقاضوں کی بھی پروا نہیں کرتے

ہم ہی نہیں کہہ رہے، خود آج کے ایک مستشرق کا اعتراف ہے کہ اسلامی موضوعات پر فیصلے صادر کرنا ان حضرات کا اپنی حد سے تجاوز ہے جس کے نتیجے میں شترگربگی کا ظہور لازم ہے۔ مصطفیٰ السباعی مرحوم نے اپنی کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع" میں مسٹر آربری (صدر شعبۂ مطالعہ اسلامیات وعربیات کیمبرج یونیورسٹی) کا یہ قول نقل کیا ہے جس کے مخاطب خود سباعی مرحوم ہی تھے۔ کہ:

"ہم مستشرق اسلام سے متعلق اپنی بحثوں میں اکثر غلطیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہم کو ان مباحث میں نہیں پڑنا چاہیے، یہ میدان آپ لوگوں ہی کا ہے۔"

مستشرقین کے حوالوں کی کمزوری یا بے محلی اور علم وفہم کی نارسائی کے سلسلے میں مثالیں بہت دی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں یہاں دو مثالوں پر اکتفا کروں گا۔

۱۔ ہندوستان سے شائع ہونے والے "الثقافۃ الاسلامیہ" نامی مجلہ میں کتب مغازی اور ان کے مؤلفین پر اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں جرمن مستشرق جوزف ہورووِٹس نے ایک جگہ ضمنی طور پر مسلم علماء وفقہا اور ذوقِ شعری پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اور اغانی میں ایک واقعہ آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ (علماء وفقہا کی) یہ جماعت اس معاملے میں کتنی صاحب ذوق واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر کی روایت سے صاحب اغانی رقمطراز ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ حج کے لئے چلا تو راستہ میں ایک حسین عورت بھی حج کو جاتی ہوئی ملی جو شہوت انگیز

باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اپنی ناقہ اُس کے قریب کی اور کہا کہ او خدا کی بندی تو حج کو جا رہی ہے، تجھے خدا کا خوف نہیں۔؟ اس پر اُس نے اپنا چہرہ بالکل کھول دیا جو سورج کو شرماتا تھا اور یوں گویا ہوئی کہ چچا جان! میں اُن عورتوں میں سے ہوں جن کے بارے میں عرجی نے کہا ہے کہ ؎

من اللاء لم یحججن یبغین حسبةً ولکن لیقتلن البریٔ المغفلا

(ان عورتوں میں کہ جو رضائے الٰہی کے لئے حج کو نہیں جاتیں بلکہ ان کا مقصدِ سفر نیک اور سادہ دل لوگوں کی متاعِ دل و جان کو لوٹنا ہوتا ہے۔)

ابن عمرؓ کہتے ہیں: کہ اس پر میں نے کہا اچھا جانے دو، میں خدا سے دعا کروں گا کہ ایسے چہرے کو آگ کا عذاب نہ دے۔"

ہم اپنے علماء و فقہاء کے متعلق شعری ذوق سے منکر نہیں، یقیناً ان میں سے بہت سے بڑا معیاری ذوق رکھتے تھے۔ مگر جس نوعیت کا یہ واقعہ مذکور ہوا ہے۔ اس کے لئے اغانی کی روایت پر اعتماد ایک غیر ذمہ دار آدمی ہی کر سکتا ہے۔ ایک طرف عبداللہ بن عمرؓ کی وہ شخصیت ہے جس کا مخصوص مزاج تقوٰی و اتباعِ سنت تاریخ اسلام کی ایک مسلّم اور متفق علیہ حقیقت ہے دوسری طرف یہ اُس سے جوڑ نہ کھانے والا واقعہ۔ علاوہ ازیں یہ بھی پیشِ نظر رکھئے کہ علماء اسانیہ ورجال میں بعض حضرات صاحب اغانی (ابوالفرج اصفہانی) کے اتنے سخت ناقد ہیں کہ اُسے "اکذب الناس" بتاتے ہیں۔[1]

دوسری مثال گولڈ زیہر کی ہے۔ ان صاحب نے اپنی کتاب "تفسیر اسلامی کے مختلف مذاہب" میں معتزلہ کے اس اندازِ تاویل پر کلام کرتے ہوئے، کہ وہ کس طرح اپنے اعتقادات کا تحفظ تفسیر میں کیا کرتے تھے، شریف مرتضیٰ معتزلی کی مثال دی ہے کہ آیت وجوہ یومئذٍ ناضرة الی ربها ناظرة۔ سے جمہور کی تفسیر کے مطابق جو خدا کی رویت اور قائلین تشبیہ کی دلیل نکلتی ہے اس کے مقابلے میں وہ لفظ "الیٰ" حرف جر ماننے کی بجائے اَلآ بمعنیٰ نعمت کی جمع قرار دیتے تھے۔ اور ترجمہ یہ کرتے تھے کہ: "وہ لوگ اس دن اپنے رب کی نعمتیں دیکھ رہے ہوں گے۔" یہ ہے شریف مرتضیٰ کی ایک تاویل کے سلسلے میں مسٹر گولڈ زیہر کی تشریح کہ یہاں اِلیٰ حرف نہیں بلکہ اسم بمعنیٰ نعمت ہے۔ شریف مرتضیٰ نے نہ الیٰ کو الآ کی جمع کہا تھا۔ اور نہ وہ کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ اِلیٰ اور الآ دونوں واحد ہیں جن کی جمع آلاء آتی ہے۔ لیکن مسٹر گولڈ زیہر جو علوم اسلامیہ کے اندر دستگاہ رکھنے والے مستشرقین میں ممتاز ترین مانے جاتے ہیں، اُن کے علم اور فہم دونوں کا یہ حال تھا کہ جو بات ہمارے یہاں کا ایک کم عمر طالب علم بھی قاموس دیکھ کر جان سکتا ہے اسے وہ نہ جان سکے اور غلط بحث کر گئے۔ (الفرقان)

---

[1] میزان الاعتدال مطبعۃ الحلبی بمصر ۳ : ۱۲۳

اسلام اور علم جدید — جناب محترم وحیدالدین خان

کائنات خدا کی شہادت دیتی ہے

اس پر حکمت اور پیچیدہ نظام کائنات کی توجیہ صرف "اتفاق" سے کرنا ایسا ہے کہ کچھ بندر ٹائپ رائٹر پر بیٹھ جائیں اور کروڑوں سال اسے پیٹتے رہیں اور "اتفاقاً" ان کے سیاہ کئے ہوئے کاغذات کے ڈھیر سے آخری کاغذ پر شیکسپیر یا مولانا روم یا اقبال و غالب کی کوئی نظم نکل آئے۔

مخالفین مذہب کائنات کے حیرت انگیز نظم اور اس کے اندر غیر معمولی حکمت و معنویت کو بطور واقعہ تسلیم کرتے ہوئے اس کی دوسری توجیہ کرتے ہیں۔ اس میں انہیں کسی ناظم و مدبّر کا اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کے نزدیک محض "اتفاق" سے ہوگیا ہے۔ ٹی۔ ایچ ہکسلے کے الفاظ میں چھ بندر اگر ٹائپ رائٹر پر بیٹھ جائیں اور کروڑوں سال تک اسے پیٹتے رہیں تو ہوسکتا ہے کہ ان کے سیاہ کئے ہوئے کاغذات کے ڈھیر میں سے آخری کاغذ پر شیکسپیر کی ایک نظم (SONNET) نکل آئے۔ اسی طرح اربوں اور کھربوں سال مادہ کے اندھا دھند گردش کے دوران میں موجودہ کائنات بن گئی ہے۔ THE MYSTERIOUS UNIVERS, 3-4

یہ بات اگرچہ بجائے خود بالکل لغو ہے۔ کیونکہ ہمارے آج تک کے تمام علوم ایسے کسی اتفاق سے قطعاً ناواقف ہیں جس کے نتیجہ میں اتنا عظیم، اس قدر با معنی اور مستقل واقعہ وجود میں آجائے، جیسی کہ یہ کائنات ہے۔ بلاشبہ ہم بعض اتفاقات سے واقف ہیں۔ مثلاً ہوا کا جھونکا کبھی سرخ گلاب کے زیرہ (POLLEN) کو اڑا کر سفید گلاب پر ڈال دیتا ہے جس کے نتیجہ میں زرد رنگ کا پھول کھلتا ہے۔ مگر اس قسم کا اتفاق صرف ایک جزوی اور استثنائی واقعہ کی توجیہ کرتا ہے۔ وہ گلاب کے پورے وجود، کائنات کے اندر ایک حالت میں اس کی مسلسل موجودگی اور سارے نظام عالم سے اس کا حیرت انگیز ربط ہوا کے اتفاقی جھونکے سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ "اتفاقی واقعہ" کے لفظ میں ایک جزوی صداقت ہونے کے باوجود کائنات کی توجیہ کے اعتبار سے وہ ایک لغو بات ہے۔ پروفیسر ایڈون (EDWIN CONKLIN) کے الفاظ میں زندگی کا بذریعہ حادثہ (ACCIDENT)

وقوع میں آجانا ایسا ہی ہے جیسے کسی پریس میں دھماکہ ہو جانے سے ایک ضخیم لغت کا تیار ہو جانا۔

THE EVIDENCE OF GOD P.174

کہا جاتا ہے کہ "اتفاق" کے حوالے سے کائنات کی توجیہہ کوئی الل ٹپ بات نہیں ہے۔ بلکہ سر جیمز جینز کے الفاظ میں وہ خالص ریاضیاتی قوانین اتفاق (PURELY MATHEMATICAL LAWS OF CHANCE) پر مبنی ہے۔ ایک مصنف لکھتا ہے :

"اتفاق" (CHANCE) محض ایک فرضی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ایک بہت ہی ترقی یافتہ حسابی نظریہ ہے جس کا اطلاق ان امور پر کیا جاتا ہے جن میں قطعی معلومات ممکن نہیں ہوتیں۔ اس نظریے کے ذریعہ ایسے بے لاگ اصول ہمارے ہاتھ آجاتے ہیں، جن کی مدد سے ہم صحیح اور غلط میں بآسانی امتیاز کر سکتے ہیں۔ اور کسی خاص نوعیت کے واقعہ کے صادر ہونے کے امکانات کا حساب لگا کر صحیح صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتفاقاً اس کا پیش آجانا کس حد تک ممکن ہے۔

THE EVIDENCE OF GOD, P-23

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ مادہ کسی خام حالت میں خود سے کائنات میں موجود ہو گیا۔ اور پھر یہ بھی فرض کر لیں کہ اس میں عمل اور ردِ عمل کا ایک سلسلہ بھی اپنے آپ شروع ہو گیا ـــــ اگرچہ ان مفروضات کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جب بھی کائنات کی توجیہہ حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں ایک اور اتفاق مخالفین مذاہب کی راہ میں حائل ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری ریاضیات جو قانونِ اتفاق کا قیمتی نکتہ ہمیں دیتی ہے، وہی اس بات کی تردید بھی کر رہی ہے کہ قانون، موجودہ کائنات کا خالق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سائنس نے معلوم کر لیا ہے کہ ہماری دنیا کی عمر اور جسامت کیا ہے۔ اور جو عمر اور جسامت اس نے معلوم کی ہے، وہ قانون اتفاق کے تحت موجودہ دنیا کے وقوع میں آنے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

"اگر تم دس سکے لو اور ان پر ایک سے دس تک نشان لگا دو۔ اس کے بعد انہیں اپنی جیب میں ڈال کر اچھی طرح ملا دو۔ اب ان کو ایک سے دس تک بالترتیب اس طرح نکالنے کی کوشش کرو کہ ایک سکہ کو نکالنے کے بعد ہر بار اس کو دوبارہ جیب میں ڈال دو ـــــ یہ امکان کہ نمبر ایک کا سکہ پہلی بار تمہارے ہاتھ میں آجائیں سو میں ایک ہے، یہ امکان کہ ایک، دو اور تین نمبر سلسلہ وار تمہارے ہاتھ میں آجائیں ایک ہزار میں ایک ہے۔ یہ امکان کہ ایک، دو، تین اور چار نمبر کے سکے بالترتیب نکل آئیں دس ہزار میں ایک ہے۔ یہاں تک کہ یہ امکان کہ ایک سے دس تک تمام سکے بالترتیب تمہارے ہاتھ میں آجائیں دس بلین (دس ارب) میں صرف ایک بار ہے۔"

یہ مثال نقل کرنے کے بعد کریسی مارلین (A CRESSY MORRISON) لکھتا ہے :

"THE OBJECT IN DEALING WITH SO SIMPLE A PROBLEM IS TO SHOW HOW ENORMOUSLY FIGURES MULTIPLY AGAINST CHANCE." (MAN DOES NOT STAND ALONE, P-17)

یعنی یہ سادہ مثال اس لئے دی گئی تاکہ یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ واقعات کی تعداد کی نسبت سے امکانات کی تعداد کتنی زیادہ ہوتی ہے۔

اب اندازہ کیجئے کہ اگر سب کچھ محض اتفاق سے ہو گیا ہے، تو اس کے لئے کتنی مدت درکار ہوگی — ذی حیات اشیاء کی ترکیب زندہ خلیوں (LIVING CELLS) سے ہوتی ہے، خلیہ ایک نہایت چھوٹا اور پیچیدہ مرکب ہے جس کا مطالعہ علم الخلیہ (CYTOLOGY) میں کیا جاتا ہے۔ ان خلیوں کی تعمیر میں جو اجزاء کام آتے ہیں ان میں سے ایک پروٹین ہے۔ پروٹین ایک کیمیائی مرکب ہے جو پانچ عناصر کے ملنے سے وجود میں آتا ہے۔ کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور گندھک۔ پروٹینی سالمہ (MOLECULE) ان عناصر کے تقریباً چالیس ہزار جواہر (ATOMS) پر مشتمل ہوتا ہے۔

کائنات میں سو سے زیادہ کیمیائی عناصر بالکل منتشر اور بے ترتیب بکھرے ہوئے ہیں۔ اب اس امر کا امکان کس حد تک ہے۔ کہ ان تمام عناصر کے بے ترتیب ڈھیر میں سے نکل کر یہ پانچوں عناصر اس طرح باہم ملیں کہ ایک پروٹینی سالمہ آپ سے آپ وجود میں آجائے۔ مادے کی وہ مقدار جسے مسلسل ہلانے سے اتفاقاً یہ نتیجہ نکل سکتا ہو، اور وہ مدت جس کے اندر اس کام کی تکمیل ممکن ہو، حساب لگا کر معلوم کی جاسکتی ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے ایک ریاضی دان پروفیسر چارلس ایوجین گائی (CHARLES-EUGENE GUYE) نے اس کا حساب لگایا ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کے کسی اتفاقی واقعہ کا امکان 10^{160} کے مقابلے میں صرف ایک درجہ ہو سکتا ہے۔ (10^{160} کا مطلب یہ ہے کہ دس کو دس سے ایک سو ساٹھ مرتبہ پے در پے ضرب دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں دس کے آگے ایک سو ساٹھ صفر) ظاہر ہے کہ ایک ایسا عدد ہے جس کو الفاظ کی زبان میں ظاہر کرنا مشکل ہے۔[1]

صرف ایک پروٹینی سالمہ کے اتفاقاً وجود میں آنے کے لئے پوری کائنات کے موجودہ مادہ سے کروڑوں گنا زیادہ مقدار مادہ مطلوب ہوگی جسے یکجا کر کے ہلایا جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے کا امکان 10^{243} سال بعد ہے۔

پروٹین، امینو ایسڈ (AMINO ACIDS) کے لمبے سلسلوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقہ کی ہے جس سے یہ سلسلے باہم ملیں۔ اگر یہ غلط شکل میں یکجا ہو جائیں تو زندگی کی بقاء کا ذریعہ بننے کی بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔ پروفیسر جے۔ بی لیڈز (J. B. LEATHES) نے حساب لگایا ہے۔ کہ

---

[1] واضح ہو کہ ہمارے انتہائی عدد — مہاسنکھ — میں دس کے آگے ۱۸ صفر لگتے ہیں۔

ایک سادہ سے پروٹین کے سلسلوں کو اربوں اور کھربوں ($۱۰^{۴۸}$) طریقے سے یکجا کیا جاسکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام امکانات ایک پروٹینی سالمہ کو وجود میں لانے کے لئے محض اتفاق سے یکجا ہو جائیں۔

واضح ہو کہ اس انتہائی بعید امکان کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ بے شمار مدت کی تکرار کے بعد لازماً یہ واقعہ ظہور میں آجائے گا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو جائے۔ دوسری طرف یہ امکان بھی ہے کہ ہمیشہ دہراتے رہنے کے باوجود کبھی بھی ایسا کوئی واقعہ ظہور میں نہ آئے۔

پھر پروٹین خود محض ایک کیمیائی شے ہے جس میں زندگی موجود نہیں ہوتی پروٹین کے خلیہ کا جزء بننے کے بعد اس میں زندگی کی حرارت کیسے پیدا ہوئی۔ اس کا جواب اس توجیہہ میں نہیں ہے۔ پھر یہ بھی خلیہ کے صرف ایک ترکیبی جزو پروٹین کے صرف ایک ناقابل مشاہدہ ذرہ کے وجود میں آنے کی توجیہہ ہے۔ جب کہ صرف ایک ذی حیات جسم کے اندر سنکھ مہاسنکھ کی تعداد میں ایسے مرکبات ہوتے ہیں۔

لے کامٹے ڈو نوائے (LECOMTE DU NOUY) نے اس پر بہت عمدہ اور مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے امکان کے ظہور میں آنے کے لئے جس وقت جس مقدار مادہ اور جس پہنائی کی ضرورت ہوگی وہ ہمارے تمام اندازوں سے ناقابل یقین حد تک زیادہ ہے۔ اس کے لئے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جس کا دائرہ اتنا بڑا ہو جس میں روشنی $۱۰^{۸۲}$ سال نور (دس کے آگے ۸۲ صفر) سفر کر کے اس کو پار کر سکتی ہو۔ یہ حجم موجودہ کائنات سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ہماری بعید ترین کہکشاں کی روشنی چند بلین سال نور میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئن سٹائن نے کائنات کی وسعت کا جو اندازہ کیا ہے۔ وہ اس عمل کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ پھر اس مفروضہ کائنات میں پانچ سو ٹریلین حرکت فی سکنڈ کی رفتار سے مادہ کی مفروضہ مقدار کو ہلایا جائے تب کہیں اس امر کا امکان پیدا ہوگا کہ پروٹین کا ایک ایسا سالمہ اتفاق سے وجود میں آئے جو زندگی کے لئے ضروری اور مفید ہے۔ اور اس سارے عمل کے لئے جس مدت کی ضرورت ہے۔ وہ $۱۰^{۲۴۳}$ (دس کے آگے ۲۴۳ صفر) بلین سال ہے۔ مگر "ہمیں بھولنا نہیں چاہئے" ڈو نوائے لکھتا ہے "کہ زمین صرف دو بلین سال سے موجود ہے۔ اور یہ کہ زندگی کی ابتداء صرف ایک بلین سال پہلے ہوئی۔ جبکہ زمین ٹھنڈی ہوئی۔"

HUMAN DESTINY , 30-36

سائنس نے اگرچہ ساری کائنات کی عمر دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ موجودہ کائنات پچاس کھرب سال سے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طویل عمر بھی ایک مطلوبہ پروٹینی سالمہ کو اتفاقاً وجود میں لانے کے لئے ناکافی ہے۔ مگر جہاں تک زمین کا تعلق ہے جس پر ہماری معلوم زندگی پیدا ہوئی اس کی عمر تو نہایت قطعیت کے ساتھ معلوم کر لی گئی ہے۔

ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق زمین سورج کا ایک ٹکڑا ہے جو کسی بڑے ستارے کی کشش سے

ٹوٹ کر فضا میں گردش کرنے لگا تھا۔ اس وقت زمین سورج کی مانند ایک مجسم شعلہ تھی جس میں کسی بھی قسم کی زندگی پیدا ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو کر منجمد ہوئی۔ اس انجماد ہی کے بعد یہ امکان پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس میں زندگی کا آغاز ہو۔

زمین کی عمر جب سے کہ وہ ٹھوس ہوئی مختلف طریقوں سے نہایت صحیح طور پر معلوم کی جا سکتی ہے۔ ان میں سب سے عمدہ طریقہ تابکار عناصر (RADIO-ACTIVE ELEMENTS) کی دریافت سے ہوا ہے۔ تابکار عناصر کے ایٹم کے برقی ذرات ایک خاص تناسب سے مسلسل خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ ہم کو روشن نظر آتے ہیں۔ اس اخراج یا انتشار کی وجہ سے ان کے برقی ذرات کی تعداد گھٹتی رہتی ہے۔ اور وہ دھیرے دھیرے غیر تابکار دھات میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یورینیم اسی قسم کا ایک تابکار عنصر ہے۔ وہ عمل انتشار کی وجہ سے ایک خاص اور متعین شرح سے سیسہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ پایا گیا ہے کہ اس تبدیلی کی شرح کسی بھی سخت ترین حرارت یا دباؤ سے متاثر نہیں ہوتی۔ ہم تبدیلی کی اس رفتار کو اٹل سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ یورینیم کے ٹکڑے مختلف چٹانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ اس وقت سے چٹان کا جزو ہیں جبکہ یہ چٹان منجمد ہوئی۔ یورینیم کے ساتھ ہم سیسہ پاتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تمام سیسہ جو یورینیم کے ساتھ پایا جاتا ہے، وہ یورینیم کے انتشار (DISINTEGRATION OF URANIUM) سے وجود میں آیا ہے۔ کیونکہ یورینیم سے بنا ہوا سیسہ عام سیسے سے کچھ ہلکا ہوتا ہے۔ اس لئے سیسہ کے کسی بھی ٹکڑے کے بارے میں یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ یورینیم سے بنا ہے یا نہیں۔ اس سے ہم حساب لگا سکتے ہیں کہ یورینیم جس چٹان میں ہے وہاں کتنی مدت سے اس پر انتشار کا عمل ہو رہا ہے۔ اور چونکہ یورینیم چٹان میں اس وقت سے ہے جب کہ وہ چٹان منجمد ہوئی۔ اس لئے ہم اس کے ذریعہ سے خود چٹان کے انجماد کی مدت معلوم کر سکتے ہیں۔

اس طرح کے اندازے بتاتے ہیں کہ چٹان کے انجماد کو کم از کم چودہ سو ملین سال گزر چکے ہیں، یہ اندازے ان چٹانوں کے مطالعہ پر مبنی ہیں جو ہمارے علم کے مطابق زمین کی قدیم ترین چٹانیں ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے زمین کی عمر اس سے بہت زیادہ مثلاً دگنا اور تگنا ہو۔ مگر ارضیاتی مشاہدہ کے دوسرے شواہد اس طرح کے غیر معمولی اندازوں کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ جے۔ ڈبلیو۔ این۔ سولیون نے زمین کی عمر کا ایک بہتر اوسط دو ہزار ملین سال قرار دیا ہے[1] اب ظاہر ہے کہ جب صرف ایک غیر ذی روح پروٹینی سالمہ کے مرکب کو اتفاقاً وجود میں لانے کے لئے سنکھ مہا سنکھ سے بھی زیادہ مدت درکار ہے تو صرف دو ہزار ملین سال میں زمین کی سطح پر زندہ اور مکمل

---

[1] LIMITATIONS OF SCIENCE, P-78

اجسام رکھنے والے حیوانات کی دس لاکھ سے زیادہ اور نباتات کی دو لاکھ سے زیادہ اقسام کیسے وجود میں آگئیں اور ہر قسم میں لاتعداد حیوانات ونباتات پیدا ہو کر خشکی اور تری کیسے پھیل گئے۔ اور پھر انہیں ادنیٰ درجہ کی ذی روح اشیا سے اتنی قلیل مدت میں انسان جیسی اعلیٰ مخلوق اتفاقاً کیسے وجود میں آگئی جب کہ نظریۂ ارتقاء الانواع میں جن اتفاقی تبدیلیوں کے اوپر اپنی بنیاد کھڑی کرتا ہے۔ ان میں سے ہر تبدیلی کا حال یہ ہے کہ ماہر ریاضی پاٹو (PATAU) نے حساب لگایا ہے کہ کسی ذی حیات میں نئی تبدیلی کو مکمل ہوتے ہوتے دس لاکھ پشتوں کے گزر جانے کا امکان ہے۔[۱] اس سے اندازہ کیجئے کہ اگر محض ارتقا کے اندھے مادی عمل کے ذریعہ کتے کی طرح پانچ انگلیاں رکھنے والے جد امجد کی نسل میں بیشمار تبدیلیوں کے جمع ہونے سے گھوڑے جیسا مختلف جانور بن گیا ہے۔ تو اس کے بننے میں کتنا عرصہ درکار ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی عالم عضویات ایم۔ بی۔ کریڈر (MARLIN BOOKS KREIDER) کے الفاظ کس قدر صحیح ہیں:

THE MATHEMATICAL PROBABILITY OF A CHANCE OCCURRENCE OF ALL THE NECESSARY FACTORS IN THE RIGHT PROPORTION IS ALMOST NIL.

THE EVIDENCE OF GOD, P-67

یعنی تخلیق کے تمام ضروری اسباب کا صحیح تناسب کے ساتھ اتفاقاً اکٹھا ہو جانے کا امکان ریاضیاتی طور پر قریب قریب نفی کے برابر ہے۔

یہ طویل تجزیہ محض اتفاقی پیدائش کے نظریے کی لغویت واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ "اتفاق" سے نہ کوئی ایٹم یا مادے کیول وجود میں آسکتا ہے۔ اور نہ وہ ذہن پیدا ہو سکتا ہے، جو یہ سوچ رہا ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی طویل مدت فرض کی جائے۔ یہ نظریہ نہ صرف ریاضیاتی طور پر محال ہے بلکہ منطقی حیثیت سے بھی وہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ یہ ایسی ہی لغو بات ہے جیسے کوئی کہے کہ ایک گلاس پانی فرش پر گرنے سے دنیا کا نقشہ مرتب ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ اس اتفاق کے پیش آنے کے لئے فرش، کشش ارضی، پانی اور گلاس کہاں سے وجود میں آگئے۔

علم حیاتیات کا مشہور عالم ہیکل (HAEEKEL) نے کہا تھا ــــ "مجھے ہوا، پانی، کیمیائی اجزا اور وقت دو، میں ایک انسان بنا دوں گا۔" مگر یہ کہتے ہوئے وہ بھول گیا کہ اس اتفاق کو وجود میں لانے کے لئے ایک ہیکل اور مادی حالات کی موجودگی کو ضروری قرار دے کر وہ خود اپنے دعوے کی تردید کر رہا ہے۔ بہت

---

[۱] THE EVIDENCE OF GOD, P-117

خوب کہا ہے مارسین نے:

"ہیکل نے یہ کہتے ہوئے جین (GENES) اور خود زندگی کے مسئلہ کو نظر انداز کر دیا۔ انسان کو وجود میں لانے کے لئے اس کو سب سے پہلے ناقابل مشاہدہ ایٹم فراہم کرنے ہوں گے، پھر ان کو مخصوص ڈھنگ سے ترتیب دے کر جین بنانا ہوگا۔ اور اس کو زندگی دینی ہوگی۔ پھر بھی اسکی اس اتفاقی تخلیق کا امکان کروڑوں میں ایک کا ہے۔ اور بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہو جائے تو اس کو وہ اتفاق (ACCIDENT) نہیں کہہ سکتا بلکہ وہ اس کو اپنی ذہانت (INTELLIGENCE) کا ایک نتیجہ قرار دے گا۔"

MAN DOES NOT STAND ALONE, P. 87

اس بحث کو میں ایک امریکی عالم طبیعیات جارج ارل ڈیوس (EARL DAWIS) کے الفاظ پر ختم کروں گا:

"اگر کائنات خود اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اندر خالق کے اوصاف رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ کائنات خود خدا ہے۔ اس طرح اگرچہ ہم خدا کے وجود کو تو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن وہ نرالا خدا ہوگا جو بیک وقت مافوق الفطرت بھی ہوگا اور مادی بھی۔ میں اس طرح کے کسی مہمل تصور کو اپنانے کی بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں جس نے عالم مادی کی تخلیق کی ہے۔ اور اس عالم کا وہ خود کوئی جزو نہیں۔ بلکہ اس کا فرمانروا اور ناظم و مدبر ہے۔"

THE EVIDENCE OF GOD. P. 71

از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

علمِ مجسم مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

لاہور کے ایک صاحب نے جو حضرت مولانا کاندھلویؒ کے احوال وسوانح پر کام کر رہے ہیں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ سے ان کے تاثرات معلوم کرنا چاہے تو مولانا نے مختصراً یہ جواب دیا۔ "ادارہ"

محترم المقام ! سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی جامع شخصیت اور سوانح پر کام کرنے کے ارادہ سے بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔

میں کافی دنوں سے عارضۂ قلب میں مبتلا ہوں بمشکل گھنٹہ دو گھنٹہ درسِ حدیث دیتا ہوں، ضعف اور علالت تحریری کام کی متحمل نہیں، آپ کے ہاں لاہور میں تو ماشاء اللہ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادگان گرامی قدر، عزیز و اقارب اور ان کا بیش بہا کتب خانہ موجود ہے۔ ان سے کافی استفادہ کر سکتے ہیں تعمیل حکم میں حضرت مولانا مرحوم کے بارہ میں اتنا عرض ہے کہ :

"حضرت مولانا رحمۃ اللہ علم مجسم اور رجال آخرت میں سے تھے ان کو میں نے ہمیشہ کتابوں کے درمیان مطالعہ کرتے ہوئے پایا، ان کا اوڑھنا بچھونا گویا غذا اور فکر و خیال اور آئندہ کے عزائم و خیالات سوائے علوم اور کتابوں کے کچھ بھی نہ تھا، سینکڑوں مجالس میں ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا، کسی بھی وقت مایتعلق باالدنیا کوئی بات نہ کی، وہ علم اور کتابوں کے مغلوب الحال تھے، ان کے دل و دماغ پر علوم کا تسلط تھا۔ دنیا کے کسی کونہ میں جب انہیں معلوم ہو جاتا کہ فلاں کتاب موجود ہے۔ جب تک اس کتاب کو حاصل نہ کر پاتے اور اسے ساط نہ پڑھ لیتے تو دلجمعی ان کو میسر نہ ہوتی، دوام مطالعۂ کتب جدیدہ و قدیمہ کی بناء پر گفتگو علمی لطائف و نکات سے پُر ہوتی، علمی لطائف کے بیان میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور گویا اس بارہ میں اپنے دور میں منفرد تھے، لطائف و نکات کے بحرِ ذخار تھے کہ گویا علم کی موجیں بے بہا کی شکل میں ظاہر ہوتی رہتی تھیں، متقدمین و متاخرین کے اسرار و غوامض کے امین تھے۔ ہر فن میں ماہر مگر علوم تفسیر، حدیث و ادبیات میں تو گویا یدِطولیٰ رکھتے تھے۔"

والسلام

مولانا قاری فیوض الرحمان صاحب ایم اے

علمائے سرحد کی تصنیفی و علمی خدمات

۱۸۵۷ء تا حال

سوا سو سالہ علمی تاریخ

علمائے سرحد کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تصنیف کے میدان میں کوئی کام نہیں کیا۔ یہ درست ہے کہ اس صوبہ میں لکھنے والوں کیلئے وہ سہولتیں نہ تھیں جو بڑے شہروں میں دوسرے اہل علم کو حاصل رہیں اور یہ بھی درست ہے کہ علمائے سرحد نے نہایت اخلاص کے ساتھ تدریس کے میدان میں اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے تصنیف کے میدان میں کوئی کام نہیں کیا۔

اس مقالہ میں میں ان کی ۱۸۵۷ء سے لے کر اب تک کے علماء کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ کروں گا۔

حصہ الف میں مرحومین علماء کی تصانیف اور ب میں موجودین کی تصانیف کا تذکرہ ہوگا۔ ان دونوں حصوں کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ علمائے سرحد نے وسائل کی کمی کے باوجود تصنیفی میدان میں بھی اعلیٰ، عمدہ اور قابلِ قدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۔ مولانا محمد محمود عثمانی ہزاروی ۱۸۶۳ء

آپ "گاندھیاں" تحصیل مانسہرہ، ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد صاحب کا نام عبدالسلام تھا۔ تکمیل علوم کے بعد بفیڑی باڈھی، پہرج اور چھٹی گٹی وغیرہ مقامات پر تدریس کرتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے صرف ایک رسالہ "قواعد فارسی منظوم" معروف بہ نیر لامع جو سنہ ۱۲۹۰ھ میں آپ نے لکھا اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء کو شائع ہوا تھا۔[1] ۱۸۵۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور "گاندھیاں" کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ اولاد میں آپ کے تین فرزند مولوی محمد حسین، مولوی عبدالرحمٰن اور عبدالرؤف تھے۔

---

[1] اب یہ رسالہ آپ کے پوتوں عبدالمنان عثمانی وغیرہ عبدالرؤف پٹرول پمپ ایبٹ آباد کے پاس محفوظ ہے۔

۲۔ مولانا عبدالکریم ہزاروی م ۱۸۸۵ء | آپ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء کے قریب عبدالرزاق بن کمال الدین کے گھر لسبر کوٹ (مانسہرہ، ہزارہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ معقول و منقول کے سرکردہ علماء میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور رام پور میں تکمیل کی۔ کچھ عرصہ رامپور، شاہجہان پور اور دارالعلوم لکھنؤ میں تدریس کی۔ آپ کی تصانیف میں سے "زمین کی حرکت کے ابطال" ہی کا نام معلوم ہو سکا[۱]۔ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء کو آپ کا لکھنؤ ہی میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر کوئی ۳۷ سال کی تھی۔

۳۔ مولانا قاضی طلا محمد پشاوری م ۱۸۹۳ء | آپ ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء کو قاضی محمد حسن "خان علماء" کے گھر "امازئی" علاقہ یوسف زئی، پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی۔ تکمیل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کی[۲]۔ پھر مولانا عبداللہ بن محمد اعظم غزنوی کی خدمت میں رہ کر بھی استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ "دیوان الانشاء" کلکتہ میں سیکرٹری رہے۔ آپ کی تصانیف بقول صاحب تعلیمات بر نوائے معارک آٹھ ہیں:

۱۔ دیوان فارسی　۲۔ دیوان عربی　۳۔ جواہر النظر　۴۔ صلوٰۃ التقریر فی ترجمۃ التحریر　۵۔ نفحۃ المسک تسلیۃ العقوق فی تخطئتہ الفضول۔ ۷۔ صلوٰۃ الکئیب لمن لا یحضرہ الحبیب　۸۔ قصیدہ بائیہ۔

آپ کا وصال ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء کو مکہ مکرمہ میں ہوا اور "معلیٰ" میں دفن کئے گئے۔ آپ کے بارے میں علامہ عبدالحی الحسنی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

"الشیخ العالم الکبیر القاضی طلا محمد بن القاضی محمد حسن بن محمد اکبر خان العلوم الافغانی البشاوری احد العلماء المشہورین فی بلاد الھند لم یکن مثلہ فی زمانہ فی معرفۃ الفنون الادبیۃ ...... لہ النشاء الطرب فی اشواق العرب مجموع لطیف ولہ قصائد غراء فی نصر السنۃ و مدح اھلھا...." [۳]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قاضی طلا محمد خان پشاوری جو بڑے ادیب اور فاضل بے مثل نہایت عالی شان بزرگ احمد شاہ ابدالی کی اولاد میں سے تھے۔ قاضی صاحب نے میاں (نذیر حسین) کی مدح میں کئی قصیدے عربی اور فارسی میں نہایت ہی سیر لکھے ہیں۔ پہلا قصیدہ ۴۲ شعروں پر مشتمل ہے۔ دوسرا قصیدہ عربی ۱۱۲ شعروں

---

[۱] عبدالحی الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر ج ۸ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ مطبوعہ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

[۲] امام خان نوشہروی: اہلِ حدیث کی علمی خدمات۔ لاہور ۱۳۹۱ھ ص ۱۱۶

[۳] عبدالحی الحسنی لکھنوی: نزہۃ الخواطر۔ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

کا ہے۔ تیسرا قصیدہ فارسی ۱۶۹ اشعار کا ہے۔ چوتھا قصیدہ فارسی ۴۰۸ شعروں کا ہے۔ [۱]
"دراسات اللبیب" میں بھی آپ کے قصائد شائع ہوئے۔ [۲]

۴۔ مولانا فیض عالم ہزاروی۔ م ۱۹۰۳ء | آپ ملا جیون بن مولانا علاء الدین کے گھر کوٹ نجیب اللہ، ہری پور ہزارہ میں ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں ۱۔ نبراس البررۃ عند اداء الجمعۃ فی حکومۃ الکفرۃ۔ مطبع حسنی بمبئی ۱۳۰۰ھ [۳] ۲۔ نبراس الصالحین لرفع مطاعن غیر المقلدین۔ مطبع حسنی بمبئی ۱۳۰۰ھ ۳۔ وجیز الصراط فی مسائل صدقات۔ ۴۔ شرح المفیہ۔ ۵۔ مصباح الظلام عند قبر عبد السلام۔ ۶۔ صیانۃ الاکیاس عن وسوسۃ الخناس (فارسی) ۷۔ حل مشکلات المغیث فیما یتعلق بالفقہ والحدیث (عربی، قلمی) ۸۔ البراھین القطعیہ فی تعیین اوقات المغربیہ۔ (قلمی)

۱۹۰۳ء میں آپ کا ایک عرصہ کی تدریس کے بعد "درویش" ہری پور ہزارہ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ [۴]

۵۔ مولانا قاضی محمد علی۔ م ۱۹۰۶ء | جلسیٔ علاقہ خٹک ضلع پشاور میں مولانا قاضی سید علی صاحب کے گھر ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ پبی (نوشہرہ) میں رہے اور پھر سفید ڈھیری مقابل اسلامیہ کالج پشاور میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں سے حضرت سید امیر صاحب المعروف کوٹھا صاحب کے ارشاد پر ریاست امب دربند ہزارہ آنا ہوا۔ پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ریاست امب کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہ کر ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ــــ ماہ رمضان ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے رسالہ "المتن فی الاصول" کی شرح "القول المامول فی فن الاصول" لکھی جو ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں مکمل ہوئی۔ مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۶ صفحات پر شائع ہوئی۔ اسی کتاب کے ہمراہ

---

[۱] فضل حسین مظفر پوری : الحیاۃ بعد الممات ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۲
[۲] محمد معین بن محمد امین دہلوی : دراسات اللبیب ۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۲۸۴ھ
[۳] اس کتاب کا حوالہ علامہ سید محمد انور شاہؒ نے فیض الباری شرح بخاری مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۴۳ پر دیا ہے اور آپ کے استدلال کو سراہا ہے۔ لکھا ہے کہ واوّل من استدل بہ المولوی فیض عالم الھزاروی۔
[۴] آپکی تمام تصانیف آپکے نواسوں مولانا قاضی صدر الدین اور شمس الدین صاحبان ساکن ہری پور کے پاس ہیں۔

موصوف کے دو رسالے "القول الجلی فی معرفۃ الولی" اور اقام الحجۃ علی من انکر الجمعۃ بھی شائع ہوئے ہیں۔

حسامی کی شرح "مولوی" پر حاشیہ لکھا جو امیر محمد تاجر پشاور کے ذریعہ شائع ہوا۔ مفتاح کا حاشیہ اور "القول المعین" دونوں آپ کی قلمی یادگار ہیں۔[۱]

۶۔ مولانا محمد حسین اسرائیلی ہزاروی | آپ گڑھی حبیب اللہ خان تحصیل مانسہرہ، ہزارہ میں عبدالستار صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت و وفات کا علم باوجود تحقیق کے آپ کے فرزند سے بھی نہ ہو سکا۔ تکمیل علوم مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کی۔[۲] فراغت کے بعد قاضی محمد میر عالم صاحب کے ہاں سکندر پور ہری پور ہزارہ میں رہے اور تدریس کرتے رہے۔

تصنیفی خدمات ۱:۔ ۱۔ تحفۃ الباقی: یہ تحشیہ اور شرح ہے اصول حدیث کی کتاب الفیہ عراقی منظوم (عربی) کی جو تصنیف ہے شیخ الاسلام ابوالفضل عبدالرحیم زین العابدین ابن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی، جب شارح زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے تو کسی کے ہاں اس کتاب کا پرانا نسخہ دیکھ لیا جسے ۱۵ دن میں وہیں نقل کر لیا۔ اس کتاب پر مختصر سا حاشیہ بھی تھا، آپ نے دیگر شروح سے استفادہ کر کے اسکی مفصل شرح حاشیہ پر درج کر دی اور اس کا نام "تحفۃ الباقی" رکھا جسے خود ہی مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۰۰ھ میں طبع کرایا۔ صفحات ۱۶۲، بڑا سائز

۲۔ اشاعۃ اللمعۃ فی فرضیۃ الجمعہ۔ صفحات ۲۲، لاہور ۱۳۰۸ھ مطبع منشی فخرالدین۔

۳۔ ھدایۃ البلید فی ردّ التقلید۔ صفحات ۲۰، وہی مطبع، وہی سال۔

۴۔ شرح الشرح نخبۃ الفکر (فارسی) مسمّی بہ تصحیح النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۰۸ھ میں مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوئی۔ اس کے ۳۹۲ صفحات ہیں۔ آپ کا وصال گڑھی حبیب اللہ خان میں ہوا۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔ آپ علمائے اہل حدیث میں سے تھے۔

۱۔ یہ تمام کتابیں آپ کے پوتوں کے پاس کتب خانہ فضلیہ شیر گڑھ ہزارہ میں موجود ہیں۔

۲۔ فضل حسین مظفر پوری۔ الحیاۃ بعد المات۔ آگرہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء ص ۳۵۹ پر ممتاز تلامذہ میں نام ۲۲۵ عدد کے تحت آیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ "مؤلف شرح الشرح نخبہ وغیرہ پکھلوی"

مولانا سید عبداللہ قطب شاہ عباسی | آپ ۱۸۵۸ء میں طورو ضلع مردان میں حبیب شاہ بن عبید اللہ بن فیاض شاہ بن رحمت شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی تکمیل بھوپال میں کی[۱] پھر سعودی عرب چلے گئے وہاں کے علماء سے بھی استفادہ کیا، پہلی شادی بھی وہیں سے ہوئی واپسی پر میرٹھ آئے اور پھر وہیں تصنیف و تالیف درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

تصانیف: ۱۔ اسماء القرآن ــــ صفحات ۴۰ سائز ۲۰×۳۰/۸، ۱۸۹۹ء کو مطبع ادم میرٹھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب میں کلام اللہ کے ۷۰ ناموں کی تشریح کی گئی ہے۔

۲۔ رسالہ حدیقۂ عرفان ــــ اس میں ایمان کے ۷۷ شعبوں کا بیان ہے۔ تخریج امام عینیؒ کے مطابق ہے۔ اس کا سرورق ملا ہے، کتاب نہیں مل سکی۔

۳۔ نجوم الفرقان فی اطراف القرآن ــــ اردو میں ترجمہ، مگر کتاب نہیں مل سکی۔

۴۔ شرح شعب الایمان ــــ اسماء القرآن کے آخری صفحہ پر اس کتاب کا بھی اشتہار دیا گیا ہے۔

۵۔ ھدیۃ القراء ــــ ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۵۲ صفحات، مطبع ہاشمی میرٹھ۔ یہ علم قرارت کی کتاب "جزری" کی فارسی نظم میں شرح ہے۔ آپ نے تصریح کی ہے کہ یہ مولانا محمد اسحاق کی تالیف ہے، تصحیح و درستی کی خدمت آپ نے انجام دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک پختہ اور قادر الکلام شاعر بھی تھے ــــ "نواب آف طورو" کے کہنے پر طورو آ گئے، پھر سر عبدالقیوم کے ساتھ اسلامیہ کالج پشاور کی تاسیس میں نمایاں کام کیا۔ ۱۹۱۲ء میں اسلامیہ کالج کی جب تاسیس ہوئی تو آپ اس کے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۲ء اسی منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۲ء میں نمونیہ کے شدید حملہ سے آپ کا وصال ہوا۔ اور موضع معیار میں "مزار چیندو بابا" میں دفن کئے گئے۔ اولاد میں چار لڑکیاں اور تین لڑکے۔ حبیب الرسول شاہ، ڈاکٹر عبدالغنی شاہ اور شاہ علی عباس تھے[۲]۔

مولانا میاں عبداللہ صاحبؒ | آپ ۸ ربیع الاول روز چہارشنبہ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء کو زیارت کا کا صاحبؒ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں میاں ابرار شاہ صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے چچا مولانا مردان شاہ صاحب سے حاصل کی، پھر علاقہ کے جیّد اور ممتاز علماء سے تکمیل کی۔ آپ معقول و منقول دونوں کے جامع تھے۔ فراغت کے بعد تقریباً ۵۰ سال تک اعلیٰ تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ

---

[۱] روایت مولانا سید امین الحق صاحب طوروی فاضل دیوبند صوبائی خطیب پنجاب۔

[۲] آپ جناب رشید احمد باچا پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان کے دادا ہیں۔

میں قاضی صاحب بٹ خیلہ، سوات، قاضی شاہ علاقہ باجوڑ، مولانا رحیم اللہ جان علاقہ تناول ہزارہ، مولانا عبدالقہار نوشہرہ کلاں المعروف بہ مروّت ملّا صاحب، قاضی عصمت اللہ صاحب۔ زیارت کاکا صاحبؒ، مولانا حکیم حافظ محمد سعد گل، مولانا باچا میاں مولانا میاں مسرت شاہ صاحب، میاں حمیم گل صاحب، اور مولانا عزیر گل صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنے علاقہ کے علاوہ دربند ہزارہ اور ریاست رامپور میں بھی تدریس کی ہے۔

آپ کی جن تصانیف کا اب تک علم ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مصدر السرور حاشیہ عبدالغفور۔ عبدالغفور علم نحو کی کتاب ہے جو مدارسِ عربیہ میں شرح جامی کے بعد پڑھائی جاتی تھی، اس پر آپ نے حواشی لکھے جو ۱۳۰۴ھ میں مطبع نول کشور سے شائع ہوئے، اور اتنے مقبول ہوئے کہ تھوڑے عرصہ میں یہ کتاب نایاب ہوگئی۔ مطبع نول کشور کی کتابوں میں عموماً اغلاط عام ہوتی ہیں، اس میں بھی اغلاط موجود تھیں جنکی تصحیح آپ نے سرخ سیاہی کے ساتھ کردی تھی، مگر افسوس کہ آپ کے مصحح نسخہ (جو مولانا سعد اللہ صاحب کے ہاں موجود ہے۔) کی طباعت اب تک نہیں ہوسکی۔

نول کشور انڈیا کے مطبوعہ نسخہ کا عکس لے کر قندہار (کابل) کے کتب فروشوں نے اسے اپنے ہاں چھاپا ہے۔ جسے افغانستان میں بڑے شوق کے ساتھ پڑھا جارہا ہے۔

۲۔ تفسیر حسنی:۔ یہ دراصل تفسیر حسینی کا پشتو زبان میں ترجمہ ہے۔ اور اس کے ساتھ حاشیہ پر مختصر تفسیر ہے۔ کریمی پریس بمبئی سے ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوکر منظرِ عام پر آئی۔ اب یہ بھی نایاب ہے۔

۳۔ علم نحو پر فارسی زبان میں ایک رسالہ "الفیہ" کے نام سے لکھا جو ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا۔ اور ہاتھوں ہاتھ لے لیا گیا۔ مطبع کا علم نہیں ہوسکا۔

۴۔ حاشیہ بدیع المیزان (منطق) ۱۳۱۳ھ	غیر مطبوعہ
۵۔ حاشیہ شرح میر زاہد بر رسالہ قطبیہ (علم منطق) ۱۳۱۴ھ	”
۶۔ قاضی مبارک (علم منطق) پر تعلیقات ۱۳۱۶ھ	”
۷۔ شرح ملّا جامی پر دو ضخیم جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔ ۱۳۱۳ھ	”
۸۔ شرح کلمہ طیبہ عربی (علم کلام) ۱۳۲۱ھ	”
۹۔ شرح اٰمنت باللہ ۱۳۱۳ھ	”
۱۰۔ شرح بر منہیات مسلم الثبوت (عربی) ۱۳۲۰ھ (علم الاصول)	”
۱۱۔ عشرہ کاملہ۔ دس رسائل مختلفہ کا ایک ضخیم مجموعہ۔	”

۱۲۔ منظہر الزلّات فی الآیات المبصرات۔ یہ مولانا عبدالرحمٰن غازی پوری ایک اہل حدیث عالم کی

باقی صفحہ ۲۳ پر

جناب مضطر عباسی — (مری)

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

(گذشتہ سے پیوستہ)

کالا کالا بمعنی سیاہ اردو کا لفظ ہے۔ یہی لفظ ترکی میں "کارا" (KARA) اور سندھی میں "کارو" ہے۔ یعنی "ل" "ر" سے بدل گیا ہے۔ انگریزی میں NEGRO کے معنیٰ ہیں سیاہ رنگ والا یعنی حبشی۔ ہسپانوی زبان میں سیاہ کو NEGRO اور اسپرانتو میں NIGRA کہتے ہیں۔ ان تمام کلمات کا ماخذ لاطینی زبان کا کلمہ NIGER ہے۔ جس کے شروع میں NI زائد ہے۔ اور GER جو ترکی میں KAR کی صورت میں نظر آتا ہے۔ عربی کے کلمہ "قار" سے ماخوذ ہے۔

انگریزی کا کلمہ KEROSENE (مٹی کا تیل) فرانسیسی کا KEROSENE ہسپانوی کا KEROSENO پرتگالی کا QUEROSENE اور روسی زبان کا لفظ KEROSIN وغیرہ کے بارے میں اہل یورپ کا خیال ہے کہ یہ سب یونانی زبان کے لفظ KEROS سے ماخوذ ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یونانی زبان کے اس لفظ KEROS کا ماخذ بھی عربی کا "قار" ہے۔ جس کے معنیٰ تارکول یا تارکول کی طرح سیاہ چیز کے ہیں۔

CARBON انگریزی میں کوئلے کو کہتے ہیں۔ نیز یہ ایک عنصر ہے جس کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل معدنی کوئلے کی ہے۔ نیز تارکول اور مٹی کا تیل بھی کاربن ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس کا ماخذ اہل یورپ کے خیال کے مطابق لاطینی زبان کا لفظ CARBO ہے جس کے معنیٰ کوئلہ کے ہیں۔ "قار" اس کا عربی ماخذ ہے۔

کاسہ کاربن (CARBON) کی بحث سے ایک دوسرا لفظ یاد آگیا اور وہ ہے CORBON انگریزی میں اس کے معنیٰ ہیں خیرات مانگنے والے گداگر کا پیالہ، کاسہ، ٹوکری، جدید علمائے لسانیات کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ (CORBON) عبرانی زبان کے لفظ CORBAN سے ماخوذ ہے۔ عبرانی میں CORBAN کے معنیٰ ہیں صدقہ کرنا، خیرات کرنا۔ یہ لفظ عربی میں "قربان" کی صورت میں موجود ہے۔ جس کے

معنیٰ قربانی یعنی صدقہ وخیرات کے بھی ہیں۔ اور برتن کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔ نیز " قربَۃ " کے معنیٰ ہیں وہ چیز جس سے برتن بھر جائے۔

قربانی | قربانی کے برتن CORBON کی نسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قربانی پر بھی چند باتیں عرض کر دی جائیں۔ قربانی ہمارا جانا پہچانا لفظ ہے۔ اس کا مقصد خدا کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور یہی "قرب" اس کا ماخذ اور مادہ (ROOT) ہے۔ انگریزی میں قربانی کے لئے SACRIFICE کا لفظ ہے۔ جو فرانسیسی میں SACRIFICE اور لاطینی میں SACRIFICIUM ہے۔ لسانیات کے علماء کی تحقیق کے مطابق SACRIFICIUM دو لفظوں سے مرکب ہے۔ یعنی SACER (قربانی، خدا کی حمد وثنا، اظہار تشکر، وغیرہ) اور FACIO (کرنا، بجالانا۔) گویا مرکب کے معنیٰ ہوئے قربانی کرنا، حمد وثنا کرنا، شکر بجالانا وغیرہ۔ مختصر یہ کہ SACRIFICE میں SACRI الگ لفظ ہے جو لاطینی کے لفظ SACER سے ماخوذ ہے۔

کردن | ڈنمارک، سویڈن اور ناروے میں مستعمل چاندی کے ایک سکے کا نام کرون KRONE ہے۔ اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق اس سکے پر " تاج " کا نقش تھا اور تاج کو یورپ والے انگریزی میں CROWN فرانسیسی میں COURONNE ہسپانوی میں CORONA اطالوی میں CORONA پرتگالی میں COROA اور جرمن میں KRONA کہتے ہیں۔ اس تاج کی نسبت سے ڈنمارک والوں نے اپنے سکے کو KRONE کا نام دیدیا۔ اور یہ کسی نے خیال نہیں کیا کہ CROWN یا KRONE کی اصل حقیقت عربی کا " قرن " ہے۔ جو " سنگ " اور " تاج " کے معنیٰ دیتا ہے۔

گروہ | یہی عربی کا " قرن " " قرین " کا ماخذ بھی ہے۔ جس کے معنیٰ ساتھی، ہم عمر وغیرہ کے ہیں۔ " قرین " کی جمع " قرناء " سے ہم سب واقف ہیں۔ سکاٹ لینڈ اور پھر آئرلینڈ والوں نے یہی عربی کا " قرن " جس سے " قرین اور قرناء ماخوذ ہیں CLAN کی صورت میں اپنایا ہے، جس کے معنیٰ ہیں قبیلہ، خیل، ساتھی، رفیق، گروہ، فرقہ وغیرہ اور انگریزوں نے اس CLAN سے CLANNISH (قبائلی۔ قومی) اور CLANNISHNESS (خیل بندی، گروہ بندی، قبیلہ پرستی) وغیرہ قسم کے کلمات بنائے ہیں۔

اگر آپ CLAN کے " ل " (L) کو " ر " (K) سے بدلنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے تو پھر CLAN کو عربی کے کلمہ " جیل " سے ماخوذ تصور کر لیں جس کی جمع اجیال اور جیلان دونوں طرح آتی ہے۔ اس طرح " C " کو " G " (ج) سے بدلنا ہوگا جو قاعدے کے عین مطابق ہے۔

شارح | شارح، شرح، تشریح وغیرہ اردو فارسی اور ترکی زبانوں کے جانے پہچانے الفاظ ہیں۔ ان کا ماخذ اور روٹ عربی کا کلمہ " شرح " عبرانی زبان میں اس کی صورت " شرا " اور " شرہ "

کی ہے۔ انگریزی اور عیسائی دنیا کی بیشتر زبانوں میں بائبل (BIBLE) اور خاص کر عہدنامہ قدیم یعنی توریت زبور اور دیگر صحائف کے شارح اور مفسر کیلئے "ماسوری" MASORETIC کا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ اپنے ماخذ کے اعتبار سے عربی ہے۔ جہاں اس کی صورت "ماثور" ہے۔ جو "اثر" سے مشتق ہے۔ "ماثورہ" کے معنیٰ عربی میں اس بات، قول، رسم رواج یا طریق کے ہیں جو قرناً بعد قرن نقل ہوتا چلا آیا ہو۔

اہل یورپ کے ہاں MASORETIC کے معنیٰ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے خیال کے مطابق چھٹی تا نویں صدی عیسوی کے درمیان عبرانی زبان کے لغت اور قواعد کا تحفظ کیا اور کتب سابقہ کی چھان بین کر کے اصل کے مطابق تدوین کی نیز بائبل میں مذکور اصطلاحات کے معانی متعین کئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جو کام یہ کر رہے ہیں وہ اصل کے عین مطابق ہے۔ صحیح نقل اور درست روایت ہے۔ اس لئے ان کے کام کو MASSORAH (ماسورہ) کہا گیا۔ یعنی اصل کے مطابق تشریح و تفسیر اور یہ لوگ خود MASORETIC کہلاتے ہیں۔ آج کل یہ لفظ بائبل کے مفسرین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ MASORETIC مفسر اور شارح اور MASSORAH (شرح و تفسیر) کے کلمات عربی کلمہ "ماثورہ" سے ماخوذ ہیں جس کا عربی ماخذ "اثر" ہے۔

قانون | عیسائیوں اور یہودیوں کی مذہبی اصطلاح MASSORAH سے نسبت کی وجہ سے ایک دوسرا لفظ یاد آگیا، یہ ہے CANON (کانون) اس کے معنیٰ ہیں آئین، قانون، شریعت اور شرعی احکام کے مطابق فیصلہ یا فتویٰ۔ یہ لفظ اینگلو سیکسن زبان میں CANON لاطینی میں CANON یونانی میں KANON ہے۔ اہل یورپ کا خیال ہے کہ اس لفظ کے اصل معنیٰ ہیں سیدھا، مستقیم۔ جس میں بل اور ٹیڑھا پن نہ ہو۔ چونکہ قانون۔ اصول۔ اور شریعت عمل کا سیدھا راستہ ہے۔ اس لئے اسے KANON یا CANON کہتے ہیں۔ درختوں میں بید اور نرسل سیدھے درخت ہوتے ہیں۔ اس لئے CANE جس کے معنیٰ بید اور نرسل کے ہیں اسے بھی اسی لفظ CANON یا KANON سے ماخوذ مانا گیا ہے۔

اسی لفظ CANON اور یونانی کے KANON سے CANONICL (کانونی کل) CANONIZE (کانونائیز) اور CANONIZATION (کانونائی زیشن) کے کلمات بنائے گئے ہیں جن کے معنیٰ علی الترتیب شرعی قانون ساز جماعت۔ شارع حضرات کی فہرست میں شامل کرنا۔ اور کسی کو ولی یعنی قانون ساز جاننے کے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان تمام کلمات کا واحد ماخذ اور روٹ عربی کا لفظ "قانون" ہے۔ جس کا مادہ "قنن" ہے۔ عبرانی میں اس کی صورت "کنن" ہے۔ ممکن ہے کہ اہل یورپ نے یہ لفظ عبرانی سے لیا ہو۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عبرانی میں قانون اور خاص کر مذہبی قانون کے لئے "توراہ" کا لفظ مستعمل ہے۔

جس سے توریت ماخوذ ہے۔ توریت کے معنیٰ شریعت اور شرعی توانین کے ہیں۔ چنگیز خان نے اپنی مملکت کے لئے جو آئین مرتب کیا تھا اس کا نام تھا "تورہ چنگیز خانی" اس میں بھی تورہ کے معنیٰ قانون ہی کے ہیں۔ اور "تورہ" کے برعکس عبرانی زبان کے کلمہ "کنن" کے معنیٰ ہیں قائم کرنا۔ مقام۔ پایہ اور پودا وغیرہ۔ جبکہ عربی میں "قنن" کے معنیٰ ہیں طرز طریقہ۔ اور "قانون" کا مفہوم ہے اصل ضابطہ۔ اور پیمانہ وغیرہ۔ بعض اہل لغت نے "قانون" کو عربی میں دخیل کلمہ لکھا ہے۔ حالانکہ (ق-ن-ن) عربی کا سہ حرفی مادہ تسلیم کیا ہے۔ قنّ کے معنیٰ ہیں پہاڑی۔ قنّۃ کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا بلند ترین یا نمایاں حصہ۔ "قانون" میں "ا" اور "و" حروف علت زائد ہیں اور ق-ن-ن عربی کا سہ حرفی مادہ سب کے ہاں مسلّم ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم "قانون" کو غیر عربی ماننے کا تکلف کریں۔

قانون کے وزن پر ایک دوسرا لفظ "خاتون" ہے۔ اہل لغت میں سے بعض نے اسے بھی غیر عربی بتایا ہے۔ دراصل صرف ونحو کے قواعد کا حد سے زیادہ احترام لغت کی تحقیق میں مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔ لغت اور بالخصوص مادے (ROOTS) صرف کے قواعد کے پابند نہیں ہوتے۔ صرف کے قواعد السان اہل زبان کی بول چال سے خود اخذ کرتے ہیں لیکن لغت (مادے) اس طرح اخذ نہیں کئے جا سکتے۔ اور خاص کر عربی جس کے مادے انسان کی تاریخ کی طرح قدیم ترین تاریخ کے حامل ہیں۔ ان پر صرفی قواعد کا اطلاق سختی سے نہیں کیا جا سکتا۔ لغت میں ایک لفظ کے معنیٰ بالکل معمولی اور غیر محسوس نسبت سے بھی بدل جاتے ہیں۔ عبرانی زبان میں ایک لفظ "ابق" ہے جس کے معنیٰ ہیں گرد وغبار۔ عبرانی لغت والوں نے لکھا ہے کہ چونکہ کشتی لڑتے وقت گرد وغبار اٹھتا ہے۔ اس لئے "ابق" کے معنیٰ کشتی لڑنے کے بھی ہیں۔ گویا محض گرد وغبار کے تصوّر نے ابق کے معنیٰ میں کشتی لڑنے کا مفہوم شامل کر دیا ہے۔

بات "قانون" کی ہو رہی تھی۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ قانون کو محض اس لئے غیر عربی قرار دے دینا کہ یہ علما کے علم صرف کے خود ساختہ قواعد پر ٹھیک ٹھیک پورا نہیں اترتا۔ اس لفظ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ جبکہ لفظ "قانون" جن حروف اصلیہ سے مرکب ہے وہ عربی میں اسی ترتیب اور صورت کے ساتھ عربی میں موجود ہیں۔ اور معنیٰ میں بھی قریبی تعلق اور نسبت پائی جاتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ قانون چٹان اور پہاڑی کی طرح اٹل اور قائم و دائم ہوتا ہے۔ اور یہی حال "قانون" کا ہے جو عربی میں "اخت" کی صورت میں موجود ہے۔ نیز قانون اور خاتون ہر دو کی جمع میں بھی وہم وزن ہونا پایا جاتا ہے۔ توانین اور خواتین۔

نیز CANON یا KANON کو عبرانی ماننا اور عربی نہ ماننا نہ صرف تسامح ہے۔ بلکہ مذہبی تعصب ہے۔ عربی اور عبرانی تو قریب قریب ایک ہی زبان کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں اتنا اختلاف نہیں کہ ہم

باقی صلا پر

ماہنامہ ضیائے حرم کی ایک غلط بیانی کی تردید

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ ضیائے حرم لاہور بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کے بارہ میں غلام رسول سعیدی صاحب کے قلم سے ایک مضمون شائع ہوا جس کے حسب ذیل اقتباس میں مولانا محمد منظور نعمانی کے بارہ میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ؛

"جس زمانہ میں مولانا منظور احمد نعمانی کے مناظروں کی ان کے اپنے حلقہ کے اندر بڑی شہرت تھی ، اسی دوران مفتی صاحب کی ان سے ریل میں ملاقات ہوگئی مفتی صاحب نے ان سے کہا مولانا کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے ۔ کہ آپ جب بھی مناظرہ کرتے ہیں ۔ تو آپ کا موقف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں کسی نہ کسی وجہ سے ثبوت نقص ہوتا ہے ۔ آپ جب بھی مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی نظر کو کسی نہ کسی وجہ سے حضور کے نقص کی تلاش ہوتی ہے ۔ کہ فلاں چیز کا حضور کو علم نہ تھا ، فلاں چیز پر حضور کو قدرت نہ تھی ، کیا ایک امتی کا اپنے رسول کے ساتھ یہی انداز فکر ہوتا ہے ۔ ؟ نہ جانے یہ اس گفتگو کا اثر تھا یا اور کوئی سبب مولانا نعمانی نے اس واقعہ کے بعد مناظرے کرنے چھوڑ دیئے ۔"

ایک صاحب نے مولانا موصوف سے اس بارہ میں استفسار کیا جس کے جواب میں مولانا نے حسب ذیل خط لکھا اور سختی سے اس غلط بیانی کی تردید فرمائی ۔

"آپ نے ماہنامہ ضیائے حرم" لاہور بابت اکتوبر ۱۹۷۵ء (شوال ۱۳۹۵ھ) کے حوالہ سے کسی صاحب غلام رسول سعیدی کے مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے ، اس میں کسی صاحب" مفتی محمد حسین نعیمی مقیم حال — لاہور" کی راقم سطور محمد منظور نعمانی کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کا ذکر کیا ہے ۔ اور آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ اسکی کیا حقیقت اور اصلیت ہے ؟ میں آپ کے اسی استفسار کے جواب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں — واقعہ یہ ہے کہ لکھنے والے صاحب غلام رسول سعیدی نے میرے بارے میں جو لکھا ہے وہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے ۔ میں مفتی محمد حسین نعیمی کو بالکل نہیں جانتا ، اس نام کے کسی شخص سے ملاقات مجھے بالکل یاد نہیں ، جو واقعہ لکھا ہے وہ بھی سراسر جھوٹ ہے — پہلے بھی بار بار تجربہ ہوا اور یہ اقتباس جو آپ نے نقل کیا ہے یہ نیا تجربہ ہے کہ یہ بریلوی لوگ آخرت کے محاسبہ سے بالکل بے خوف ہوکر جھوٹ گڑھتے اور بولتے ہیں ۔ ایسے تجربوں کے موقع پر یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید ان کے قلوب محاسبۂ آخرت اور خدا کے حضور میں پیشی کے یقین سے بالکل خالی ہیں — آپ میری یہ تحریر میرے اس خط کے حوالہ سے شائع کر سکتے ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ میں الفرقان میں بھی اس کا ذکر کر دوں ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے ۔ اور ہر قسم کے ظاہری و باطنی شرور سے ہماری حفاظت فرمائے — آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس شرارت اور افترا سے مطلع فرمایا ۔

والسلام ۔ محمد منظور نعمانی ۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۷۶ء

اسلام کے مضبوط حصار

مولانا قاضی عبدالحلیم کلاچوی، فاضل حقانیہ۔
نائب مفتی دارالعلوم حقانیہ

دینی مدارس

اس سے مجال انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ دینی مدارس اسلام کے مضبوط قلعے ہیں۔ ان عربی مدارس پر ہماری دین و ایمان کی زندگی موقوف ہے۔ اور ان کے وجود سے ایوانِ کفر میں ہلچل ہے۔ رائے پور کا ایک چھوٹا سا دینی مدرسہ جس میں اس وقت صرف شرح جامی تک کتابیں پڑھی جاتی تھیں طلبہ خود روٹی پکاتے تھے۔ اور دھواں سے سیاہ دیواروں کے مکان انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اٹھائے تھے۔ جب ایک امریکن وفد نے دیکھا تو عیسائیوں کی ایک تاریخی کانفرنس میں اس وفد کے سربراہ نے یہ اعتراف کیا:

"تم مولویوں کے ان عربی مدارس کو کمزور نہ سمجھو، یہاں یہ دین کے پہلوان تیار ہوتے ہیں۔"

یہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر جائزہ لیا جائے تو تمام دنیا کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ دینی مدارس ہی کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے مقابلہ میں حق و صداقت کے روشن چراغ ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرعونی، نمرودی، ہامانی، قارونی۔ اور ہر ابلیسی طاقت کے ہزار غوغا آرائی کے باوجود اسلام کے یہ مضبوط حصار اپنے رنگ میں قائم رہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت قائم رہیں گے۔ کفر و شرک سے پنجہ آزمائی تو ہوتی رہے گی۔ بقول اقبال مرحوم ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

لیکن اسلام کی روشنی ہمیشہ کفر کی تاریکی کی دھجیاں اڑاتی رہے گی۔ مسلمان جانتے ہیں کہ جب آفتاب نبوت طلوع ہوا تو پوری کرۂ ارضی گوناگوں بدعنوانیوں سے جہنم کدہ بنی ہوئی تھی۔ کیا مجال تھا کہ درندہ صفت اور جنگجو قوموں کے سامنے کوئی غریب صلح و آشتی کی بات کرتا مگر فاران کی چوٹیوں پر اسلام کا نیر تاباں کیا طلوع

ہوا کہ اس نے تھوڑے سے عرصہ میں تمام روئے زمین کو اپنی ضیا پاشیوں اور جلوہ زائیوں سے معمور کر دیا ——
ولنعم ما قیل

الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی   تجلیّ علی فان ان لکفر معلناً

رشد و ہدایت، انصاف و عدل، اخوت و مساوات کا آفتاب ظاہر ہوا اور یکایک اعلان کر دیا گیا کہ اسے کفر کی چھ سو سالہ طویل شب اب تو چلی جا، اب تیرا ٹھکانا نہیں، اب اسلام کی روشنی آگئی۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

اب لات منات عزیٰ اور ھبل کی حکومت نہیں چلے گی۔ اب تو آمنہ کے لعل کے قدموں پر ہر طاغوتی طاقت سرنگوں ہوگی۔ اسلم تسلم کا مظاہرہ ہوگا۔ اور یا ان کی سطوت و شوکت فدایانِ اسلام کے ہاتھوں پاش پاش اور چاک درچاک ہوگی۔

دینی مدارس کے یہ بوریہ نشین "ملا" بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم تاریخ سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ بھی کسی وقتی آزمائش سے مرعوب نہیں ہوں گے۔ اور اسلام کے ان مضبوط حصار کی بقاء کیلئے تن من دھن قربان کر دیں گے ——

پاکستان کے قیام میں دینی مدارس کا حصہ | اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ دینی مدارس اور اس کے بوریا نشین ملا ہی نے دین و اسلام کو بچایا ہوا ہے۔ تو یہ کسی طرح سے بھی غلط نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم تاریخ کے اوراق میں یہ جگر سوز واقعات پڑھ چکے ہو کہ غرناطہ، اندلس اور اسپین ایسے مضبوط اسلامی سلطنتیں جب مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کی وجہ سے زوال پذیر ہو گئیں تو وہاں پر دینی مدارس کے نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کس مپرسی کی حالت میں آگیا۔ بہی خواہانِ اسلام اور داعیانِ شریعت پر سراسیمگی چھاگئی اور کنج عزلت گرفتن پر مجبور ہو گئے۔ لیکن تاریخ کا یہ بدقسمت دور جب برصغیر پر آیا اور اٹھارہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم رح کے ہاتھوں جو کفرزار ہند لالہ زار اسلام بنا تھا اور وہ پھر سے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل کر انگریزوں کے تسلط میں آگیا۔ تو اس کے باوجود بھی خدا کے فضل سے دینی غیرت علمی و عملی صلابت اور صداقت اسلامیہ کا جذبہ یہاں تک موجزن رہا کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ غرناطہ وغیرہ اور اس برصغیر میں یہ کھلا فرق اس لئے ہے کہ یہاں پر انگریزوں کے تسلط کے وقت اولیاء اور علماء کے دل میں دین و اسلام کی حفاظت اور بچاؤ کیلئے قدرت نے القاء کر دیا تھا کہ دیوبند میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جائے۔ چنانچہ قافلۂ اسلام کے سرخیل حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اس دینی گلستان کی بنیاد رکھی۔

دیوبند نے عالم اسلام کو کیا دیا | پھر تم تاریخ سے پوچھو کہ دیوبند نے تمام عالم دنیا کو کیا دیا۔ اگر آپ نہیں جانتے تو جان لیجئے۔ دنیا اسلام کی مایہ ناز شخصیت شیخ العرب والعجم کہلانے والا اسی دیوبند کا فرزند ہے۔

دنیا میں رئیس المصنفین کہلانے والا تقدس و تقویٰ کا مجموعہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اسی دیوبند کا خوشہ چین ہے۔ دنیا میں محدث شہیر کہلانے والا مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اسی دیوبند کا زلّہ ربا ہے۔ دنیا میں زہد و ورع کا مجسمہ کہلانے والا مولانا خیر محمد جالندھریؒ اسی دیوبند کا فرد فرید ہے۔ پوری روئے زمین پر اپنی علمیت کا لوہا منوانے والا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اسی تعلیم گاہ کا فیض یافتہ ہے۔ دنیا میں رئیس التفسیر کہلانے والا مولانا احمد علی لاہوریؒ اسی بحر ناپیداکنار کا غواص ہے۔ دنیا میں رئیس الاتقیاء کہلانے والا مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ اسی دریا سے معرفت کا قطرہ ہے۔ اور معاف فرمائیے تمام عالم اسلام کا عظیم مدبر عظیم مفکر عظیم سیاسی مذہبی رہنما صاحب زبان و قلم متانت و سنجیدگی کا مرقع ابو الکلام کہلانے والا اسی دربار دُربار کا گہر چین ہے۔ اور ذرا آگے آئیے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا میں معمار پاکستان کہلانے والا شیخ الاسلام پاکستان کہلانے والا عظیم محدّث اور عظیم مفسر مذہب و سیاست کا امام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسی دیوبند کا قابل صد افتخار فرزند ہے۔

یہ تو ان حضرات میں سے چند ایک کے نام گنوادئے جو اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں ورنہ سینکڑوں حضرات مرحومین میں وہ ہیں کہ جن میں ہر ایک ایسی بلند پایہ شخصیت ہے کہ جن کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر بھی اگر لکھا جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں گے ـــــ جو بقید حیات ہیں ان میں بھی بعض وہ شخصیات ہیں جنہیں آج بھی پورا عالم اسلام قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور جو آج بھی امّت مرحومہ کے روحانی امراض کے صحیح معالج اور نبض کے صحیح معرف ہیں ان میں عبقریٔ اسلام نابغۂ عصر شمس الاولیاء راس الاتقیاء جنید دوراں بسطامی زماں حضرت العلامہ مولانا سید شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم۔

آیت من آیات اللہ عجز و انکسار کا مجسمہ مذہب حنفی کے عظیم اور صحیح ترین وکیل امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب مدظلہ محدّث کبیر امام کبیر مصلح اعظم بین الاقوامی مبلغ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہٗ یادگار حضرت تھانویؒ مفسر اعظم مفتی اعظم مصنف اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی اور امام انقلاب بطل حریت نڈر مجاہد اور اسلام کے سچے دوست شیخ الحدیث مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

وقت کی ضرورت کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر قرآن کی وہ تفسیر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے سیکھنی ہے۔ حدیث یار سے دل و دماغ کو معطر کرنا ہے۔ عقائد اسلامیہ کو محفوظ کرنا ہے۔ علوم و معارف سے لطف اندوز ہونا ہے۔ حلال و حرام کا امتیاز باقی رکھنا ہے۔ اصول شریعت کو معلوم کرنا ہے۔ ادب و معانی کے لہلہاتے چمنستان دیکھنے ہیں۔ منطق و حکمت کے دقائق سے اپنے آپ کو آشنا رکھنا ہے۔ ختم نبوت کے چوروں ڈاکوؤں کے دجل و تلبیسات سے اپنے آپ کو اور قوم کو محفوظ کرنا ہے۔ مرزائیت نواز ٹولہ کی آنکھوں میں

باقی ص۲۳ پر

تبصرۂ کتب

جناب اختر راہی۔ ایم اے

سیفِ حقانی مؤلف: ابوالناصر محمد عمر قریشی۔ ناشر: عباسی کتب خانہ آدم جی بلڈنگ جونا مارکیٹ کراچی۔
طباعت: عمدہ صفحات: ۱۷۶ قیمت: ۸/- روپے۔

کچھ عرصہ پہلے بھارت کے مولوی ارشد القادری (جو ان دنوں انگلستان میں مقیم ہیں) کی کتابیں پاکستان میں طبع ہوئیں۔ ان کتابوں کے ذریعہ وہی پرانی بحث تازہ ہوئی جس کی یاد میں چنداں مسرت انگیز نہیں۔ مولوی ارشد القادری کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب علمائے دیوبند دے چکے ہیں۔ مگر ان کی حالیہ کتابوں کی اشاعت سے یہ تاثر دیا گیا ہے۔ کہ گویا "زلزلہ" آگیا ہے ـــ علمائے دیوبند ملی مقاصد کے پیشِ نظر خاموش رہے اور قادیانیت جیسی اسلام کش تحریکات کا کرتے رہے مگر "زلزلہ" کے بعد یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا گیا۔ اس عمل کا آخر ردِ عمل ظاہر ہوا اور زیرِ تبصرہ کتاب لکھی گئی۔ علامہ ابوالناصر محمد عمر قریشی نے مولوی ارشد القادری اور ان کے ہمنواؤں کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت دی ہے۔

کاروانِ سائنس مدیر: عظمت علی خان ناشر: مجلس تحقیقات سائنس وصنعت، ۳۹ گارڈن روڈ صدر کراچی۔ طباعت: عمدہ صفحات: ۴۸ قیمت: تین روپے فی پرچہ/ سوا نو روپے سالانہ۔

"کاروانِ سائنس" اپنی نوعیت کا واحد پاکستانی رسالہ ہے۔ اس کا ہر شمارہ تحقیقی اور معلوماتی سائنسی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کے علاوہ عام پڑھے لکھے طبقے کے لئے اس میں کشش کا خاصا سامان موجود ہے۔ بڑے سائز میں خوبصورت ٹائپ میں رنگین تصاویر کے ساتھ چھپنے والا یہ پرچہ ہر لائبریری میں ہونا چاہیئے اور ہر باذوق پڑھے لکھے شخص کی نظر سے گزرنا چاہیئے۔

قومی اسمبلی

مسترد شدہ سوالات

جنہیں جناب سپیکر اسمبلی نے چیمبر ہی سے بعض دفعات کا حوالہ دے کر مسترد کر دیا

بیرون ملک سفراء اور کمرشل سیکرٹری

ایس کیو ٹی ۷/۵/۷ کیو۔ اے۔ بی۔ اسلام آباد ۲۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر تجارت بتا سکیں گے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ سفراء کمرشل سیکرٹریوں سے غیر تجارتی کام بھی لیتے ہیں اور چونکہ سفیر کی رپورٹ اور مرضی پر کمرشل سیکرٹری کے تقرر اور تعین کا دار و مدار ہوتا ہے۔ لہذا چار و ناچار وہ اسکی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں اور انہیں تجارتی فرائض کے انجام دہی کے لئے پورا وقت نہیں ملتا وزارت تجارت اس سلسلہ میں کیا قدم اٹھا رہی ہے۔

ناواقف عملہ اور وزارت تجارت

ایس۔ کیو۔ ٹی نمبر ۸/۵، ۷ کیو۔ اے۔ بی۔ اسلام آباد ۲۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا محترم وزیر تجارت وضاحت کر سکیں گے کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مختلف ممالک میں متعین حضرات فروغ برآمدات کی تکنیک سے ناواقف ہیں اور ان میں اکثریت کا تعلق محکمہ درآمدات سے ہے اور بعض حالات میں ان لوگوں کو ملک کے برآمدی قوانین اور معیشت سے عدم واقفیت ہے اور یہی نہیں بلکہ جیسا کہ آنے والے تاجروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے کبھی محکمہ فروغ برآمدات کے دفتر کی شکل تک نہیں دیکھی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا دفتر کس بلڈنگ میں اور کہاں پر واقع ہے۔ اور کس سے کہاں ملا جائے۔

ب ۱۔ اگر مندرجہ بالا صورت حال صحیح ہے تو اس تدارک کے لئے حکومت کیا اقدام تجویز کر رہی ہے تاکہ ملکی درآمدات میں تیزی سے اضافہ ہو اور زرمبادلہ حاصل کیا جا سکے۔

چین اور مقامی طب

ایس۔کیو۔ٹی۔ ۱۷/۷۵ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر صحت پاکستان کو علم ہے کہ چین نے چینی یا مقامی طب کی ترویج سے مسئلہ صحت حل کیا ہے۔

تحصیل نوشہرہ کے اراضیات چاندماری کا مسئلہ

ایس۔کیو۔ڈی۔ ۲۶/۷۵ ۲۰ر نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر دفاع بتلاسکیں گے کہ کیا یہ درست ہے۔

۱۔ کہ تحصیل نوشہرہ کے اکثر دیہات پیر پیائی، بدرشی، امان گڑھ، خشت کلی، اضاخیل بالا و پایان، سپین کانہ، جبہ خٹک، شیخی، نغیسری، جلوزی وغیرہ مواضعات کی اراضی برائے رینج چاندماری حکومت برطانیہ نے ایک معمولی اجارہ پہ لی تھی۔ اور اب تک یہ اراضیات چاندماری کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اب بھی اس کی اجارہ چھ پیسے یا دس پیسے فی جریب ہے۔ اور یہ قلیل اجارہ مدت سے سے مالکان اراضی کو نہیں مل رہا ہے۔ جبکہ اجارہ سے پہلے یہ زمینیں مالکان کو کافی پیداوار دیتی تھیں۔

۳۔ کیا مرکزی حکومت حسب ذیل تجاویز میں سے کسی تجویز پر عمل درآمد کرانے کیلئے تیار ہے۔

الف۔ اراضیات کو مالکان کے حوالے کیا جائے۔

ب۔ یا متبادل اراضی کسی اور جگہ دی جائیں۔

ج۔ یا ان اراضیات کا اجارہ موجودہ وقت کے مطابق مقرر کردی جائے۔

رجسٹری اراضی میں ظالمانہ کاروبار

ایس۔کیو۔ڈی ۲۷/۷۵۔ کیو۔اے۔بی۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر متعلقہ بتلاسکیں گے کہ کیا یہ صورتحال حکومت کے علم میں ہے۔ کہ زمینوں کی خرید و فروخت کی رجسٹریوں میں قیمتیں اصل قیمت خرید و فروخت سے کئی گنا بڑھ کر مکمل لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ کا حقدار یا تو کر ہی نہ سکے اور اگر کرنا چاہے۔ تو اسے اصل رقم خرید سے دوگنا سہ گنا رقم ادا کرنا پڑے۔

کیا حکومت اس صریح اور ناجائز ظالمانہ کاروبار کی اصلاح کے لئے کچھ اقدامات کرے گی۔ کیا حکومت اس تجویز پہ غور کرے گی۔ کہ جس طرح کو انتقال اراضی کے وقت پچھلے چار سالوں کے مروجہ نرخوں کے مطابق

رقم دینی پڑتی ہے ۔ اس طرح رجسٹری کراتے وقت بھی پچھلے چار سالہ نرخوں کو ملحوظ رکھا جائے اور کا حق بھی انہی نرخوں کے مطابق کرنے کا حق ہو۔

شراب کا کاروبار اور حکومت

کیا وزیر خزانہ مہربانی کر کے بتائیں گے ۔ ؟

الف :۔ ۷۱ ۔ ۱۹۷۰ء اور ۷۵ ۔ ۱۹۷۴ء میں شراب کی کتنی مقدار کس قیمت پر درآمد کی گئی تھی اور ہر دو سالوں میں کتنا ٹیکس وصول ہوا ۔ ؟

ب :۔ کیا بتدریج شراب پر پابندی کی کوئی پالیسی حکومت کے زیر غور ہے ۔ ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟

ج :۔ پاکستان میں شراب کی کتنی مقدار تیار کی جاتی ہے ؟ اور حکومت کو اس سے کتنا ٹیکس وصول ہوتا ہے ۔

کراچی کی سرکاری کالونیاں اور بجلی کے نرخوں میں تفاوت

ایس ۔ کیو ۔ ڈی ۱۹/۷۵ — ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر بجلی و ایندھن قدرتی وسائل فرمائیں گے ۔ ؟ کہ کیا وجہ ہے کہ کراچی کی سرکاری کالونیوں میں رہائش پذیر مرکزی ملازمین سے مختلف کالونیوں میں مختلف بجلی کی شرحیں وصول کی جاتی ہیں ، مثال کے طور پر فیڈرل بی ایریا کے سرکاری ملازمین بجلی کی ادائیگی بحساب بیس پیسہ فی یونٹ براہ راست کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو کرتے ہیں جبکہ جیکب لائن اور مارٹن روڈ کے ملازمین سے پی ڈبلیو ڈی بحساب اکتیس پیسہ فی یونٹ وصول کرتی ہے یہ گیارہ پیسے فی یونٹ کا فرق کیوں ہے ۔

جیکب لائن کراچی کے سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ

ایس کیو ۔ ڈی ۱۹/۷۵ ۔ کیو اے پی ۔ — ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر تعمیرات مہربانی کر کے بتائیں گے کہ :

الف :۔ جب سے جیکب لائن کمپلیکس میں سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ بند ہوئی ہے اب تک کتنے روپوں کا نقصان ہوا ہے ۔ جو کرایوں کی صورت میں حکومت وصول کرتی تھی ۔ ؟

ب :۔ اب جبکہ بظاہر متذکرہ کمپلیکس کی تکمیل یا تو ملتوی ہو گئی ہے یا طویل المعیاد ہو گئی ہے حکومت سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ کھولنے کا کوئی ارادہ رکھتی ہے ۔ اگر نہیں تو کیوں ۔ ؟
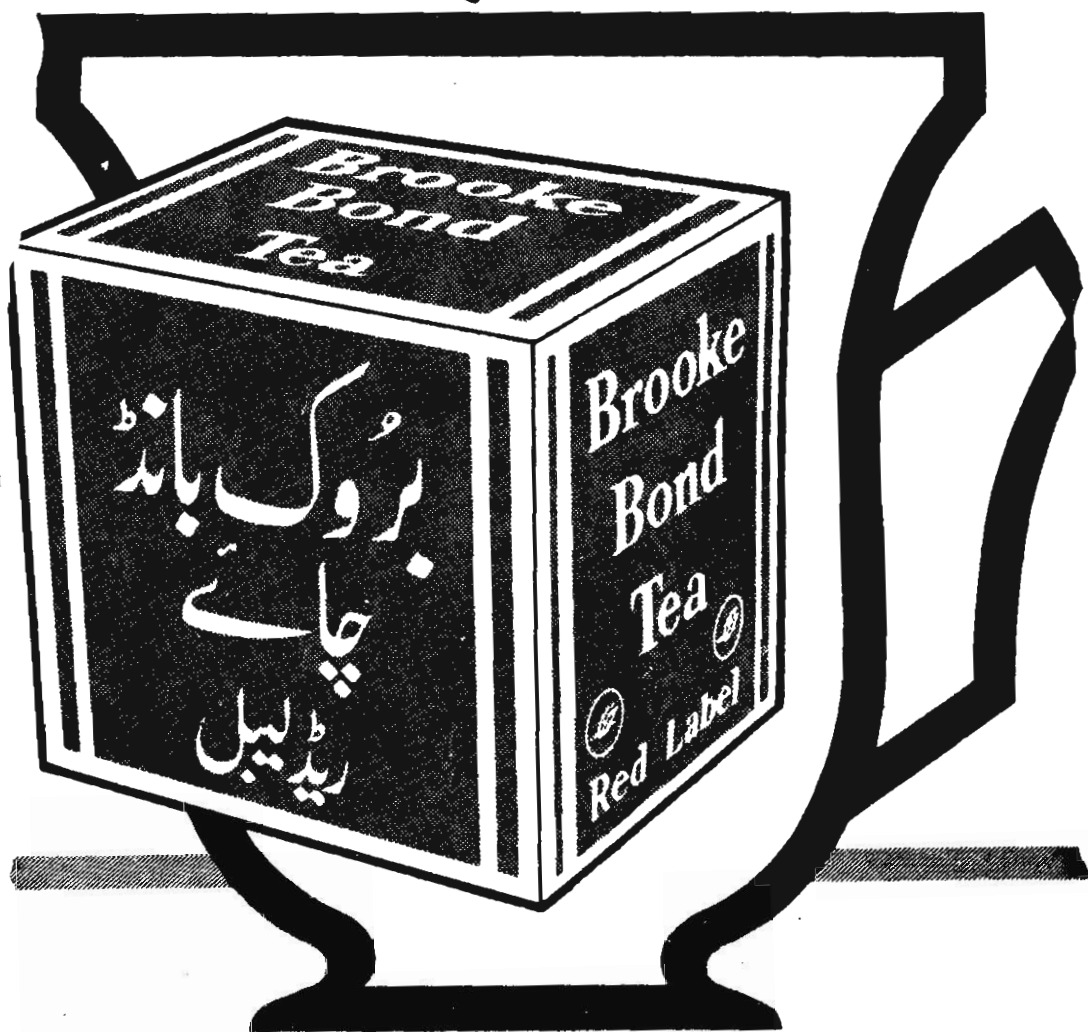
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات تقاریر اور مواعظ و مضامین کا عظیم الشان مجموعہ
دعوات حق
صفحات سات سو
تہذیب نفس، تربیت اخلاق، اصلاح معاشرہ، آداب عبدیت، عبادات و اعمال صالحہ، حقیقت ایمان و عبادت، دعوت نجاح و فلاح، فلسفۂ عروج و زوال، قانون نصرت خداوندی، آداب جہانبانی، اسرار شریعت، وحی اور رسالت منصب نبوت، سیرت طیبہ کی تعلیمات، احسانات اور عالمگیر نتائج و اثرات، محبت و اطاعت رسول، امت مسلمہ کا مقام اور فرائض، دعوت و تبلیغ، عصر حاضر کے ترقیاتی اور سائنسی کارنامے اور اسلام، علم و عمل، حاملین علوم نبوت علماء اور طلباء علوم دینیہ کا منصب اور ذمہ داریاں آداب تعلیم و تعلم، علماء سے عصر حاضر کا مطالبہ، مدارس عربیہ کی اہمیت، نظام و نصاب مدارس دینیہ، شریعت و طریقت کے نکات و اسرار۔
الغرض
عبادت و شریعت، سیاست و تمدن، اخلاق و تصوف، احسان و سلوک، فتح و زوال، معاشرت و معیشت، سیاست و حکومت وغیرہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی سینکڑوں عنوانات پر مشتمل اس کتاب میں ایمان افروز اور رقت انگیز مواعظ و ارشادات اور مضامین نہایت دلنشین اور عام فہم انداز میں — از دل خیزد بر دل ریزد — کا مصداق۔
— طالبین رشد و ہدایت کے لئے نسخۂ ہدایت — اہل علم اور طلبۂ دین کیلئے شاہراہ علم و عمل — تذکیر و موعظت کا خزانہ — خطباء مساجد کیلئے ہر موضوع پر موثر اور کار آمد خطبات جمعہ — معرفت خداوندی اور عشق رسول کا مستند ذخیرہ — اجتماعی اور انفرادی خرابیوں اور منکرات کی نشاندہی — مسلمانوں کے ذلت و ادبار اور شکست و زوال کے ایمانی اسباب اور علاج — ایک عظیم الشان گنجینۂ علم و معرفت۔
صفحات سات سو۔ سائز ۲۲ × ۱۸ طباعت و کتابت آفسٹ۔ جلد اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت پچیس ۲۵ روپے
(آج ہی اپنا آرڈر بُک کرایئے)
موتمر المصنفین ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ضلع پشاور
پاکستان

اشتہار نیلام

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دفتر مہتمم جنگلات پشاور۔ مردان فارسٹ ڈویژن نوشہرہ میں کٹائی شدہ لکڑی و بالن کا بمورخہ 76-2-21 بوقت گیارہ بجے صبح روبروئے زیر دستخطی عام نیلام تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر لاٹ	بمقام	قسم لکڑی و بالن	تفصیل چوب		تفصیل بالن		
			تعداد گیلی جات	مکعب فٹ	تعداد گیلی جات	مکعب فٹ	
I	برہ زئی مائنر	شیشم	146	599.1	-	-	Rs. 900/-
II	نصرت زئی مائنر بمقام گنڈیری بالا	شیشم	123	501.9	-	-	Rs. 750/-
III	بہرام ڈھیری ڈسٹری بمقام گنڈیری بالا	شیشم	291	1088.6	-	-	Rs. 1600/-
		کیکر	-	-	31	95.6	
IV	بہرام ڈھیری ڈسٹری بمقام حاجابانی حجرہ اکرم خان چیئرمین	شیشم	78	305.8	-	-	Rs. 480/-
		کیکر	-	-	15	85.2	
V	بہرام ڈھیری ڈسٹری بمقام منڈی آٹا مشین	شیشم	74	260.6	-	-	Rs. 450/-
		کیکر	-	-	53	157.8	
		بیر	-	-	2	7.2	

(۱) شرائط نیلام موقع پر نیلامی سے قبل سنائی جائیگی۔

(۲) بولی دھندہ کو نیلام منعقد ہونے سے پہلے ہر لاٹ کیلئے علیحدہ علیحدہ کال ڈیپازٹ یا چالان خزانہ بحق مہتمم جنگلات پشاور مردان فارسٹ ڈویژن نوشہرہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ پیش کرنا ہوگا۔

(۳) بعد از اختتام بولی کامیاب بولی دھندہ کو کل رقم بولی کا ¼ حصہ پیشگی جمع کرنا ہوگا۔ جو بعد میں کل رقم نیلام سے وضع ہوگا۔ اور بقایا رقم ایک ماہ کے اندر اندر داخل خزانہ کرے گا۔

(۴) کامیاب بولی دھندہ زرضمانت بحساب کل رقم کا ۱۰ فیصدی اقرارنامہ دستخط کرنے سے قبل جمع کرانا ہوگا۔ (بطور سیکورٹی)

(۵) مہتمم جنگلات پشاور مردان فارسٹ ڈویژن بولی کو وجہ بتلائے بغیر مسترد کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

(۶) مزید تفصیلات دفتر زیر دستخطی سے کسی بھی دن دفتری اوقات کار کے دوران معلومات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

المشتہر:۔ (شاہ عالم خٹک) مہتمم جنگلات پشاور۔ مردان فارسٹ ڈویژن جی ٹی روڈ۔ نوشہرہ۔

INF(D)-172

مکتبۃ الحق کی مطبوعات

عبادات و عبدیت	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقاریر و خطبات کا مجموعہ بندگی اور اُس کے آداب عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالح کے برکات اللہ کی عظمت، محبوبیت اور دیگر بیشمار علمی و دینی مضامین

قیمت دو روپے

---◇---

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	ایڈیٹر الحق کے قلم سے تعمیر اخلاق اصلاح معاشرہ, عبادات کا اخلاقی پہلو, افراط و تفریط سے پاک معتدلانہ نظام

قیمت ۲-۵۰

---◇---

مسئلہ خلافت و شہادت	مسئلۂ خلافت اور شہادت حسین، تعدیل صحابہ پر مولانا عبدالحق مد ظلہ کی معرکۃالاراء تقریر

قیمت ۱-۵۰

---◇---

دعوات حق	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات, تقاریر کا سینکڑوں صفحات پر مشتمل عظیم الشان مجموعہ (زیر طبع)

ناشر مکتبۃ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور